دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

مطبوعاتِ مؤتمر المصنفین

۱۔ حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ مجلد ترتیب و تحشیہ: مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲۔ دعوات حق مکمل دو جلد (مجلد) ضبط و تحریر: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۴۰۰	۴۵ روپے
۴۔ عبادات و عبدیت مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۸۸	۸ روپے
۵۔ مسئلہ خلافت و شہادت مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۰۴	۱۰ روپے
۶۔ صحبتے با اہل حق (مجلد) ضبط و ترتیب: مولانا عبدالقیوم حقانی	〃	〃 〃	۴۰۸	۷۵ روپے
۷۔ اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸۔ قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	〃	〃 〃	۹۶	۷ روپے
۹۔ کاروان آخرت (مجلد)	〃	〃 〃	۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (خصوصی نمبر)	〃	〃 〃		
۱۱۔ قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	〃	〃 〃	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲۔ قادیان سے اسرائیل تک	〃	〃 〃	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳۔ قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	〃	〃 〃	—	—
۱۴۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	〃	〃 〃	—	—
۱۵۔ روسی الحاد	〃	〃 〃	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶۔ دفاع امام ابوحنیفہؒ مجلد	〃	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات (مجلد)	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۸۔ علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات (مجلد) امام ابویوسفؒ امام محمدؒ جلد دوم	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے

۱۹۔ ارباب علم و کمال اور پیشۂ رزق حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰۔ امام اعظمؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست	〃	〃 〃	۶۴	۷ روپے
۲۱۔ خطبات حقانی (جلد اول)	〃	〃 〃	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲۔ کتابت اور تدوین حدیث	〃	〃 〃	۴۸	۷ روپے
۲۳۔ عہد حاضر کا چیلنج اور امت مسلمہ کے فرائض (مجلد)	〃	〃 〃	—	—
۲۴۔ مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	〃	〃 〃	۳۲	۵ روپے
۲۵۔ ساعتے با اولیاء (مجلد)	〃	〃 〃	—	—
۲۶۔ د امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	〃	〃 〃	—	—
۲۷۔ کشکول معرفت	〃	〃 〃	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸۔ الحاوی علی مشکلات الطحاوی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹۔ منہاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	〃	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	—	۱۲۰ روپے
۳۰۔ برکۃ المغازی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	—	—
۳۱۔ اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۴	۵ روپے
۳۲۔ ارشادات حکیم الاسلامؒ	〃	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	—	۷ روپے
۳۳۔ عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴۔ دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	〃	〃 〃	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵۔ دفاع ابوہریرہؓ	〃	〃 〃	—	—
۳۶۔ افادات حلیم	〃	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷۔ حیات صدر المدرسین (مولانا عبدالحلیم زروبویؒ)	〃	〃 〃	۵۱۲	۱۲۰ روپے
۳۸۔ فضائل و مسائل جمعہ	〃	مولانا امین الحق گستوی حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنفین ○ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماھنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۔۔ ۲۹
شمارہ ۔۔ ۲
جمادی الثانی ۔ ۱۴۱۴ھ
نومبر ۔ ۱۹۹۳ء

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ
مدیر معاون، عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم ۔ شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۳۴۰ / ۴۳۵
کوڈ نمبر ۔ ۰۵۲۲۹

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز ۔۔۔۔ (ادارہ) ۔۔۔۔ ۲
نئی حکومت، نیا نظام
ملک کی نظریاتی اساس کا تحفظ یا مکمل انہدام
بنیاد پرستی کے خلاف امریکہ کی عالمی مہم ۔۔۔۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۔۔۔۔ ۶
قرآن و سنت اور مسلمان خواتین ۔۔۔۔ مولانا اکرام اللہ جان قاسمی ۔۔۔۔ ۱۲
حدیث نبوی کا بلاغی اعجاز ۔۔۔۔ جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ۔۔۔۔ ۱۸
اسلام میں غذا کا استعمال اور اصولِ صحت کی پاسداری ۔۔۔۔ مولانا سید جلال الدین العمری ۔۔۔۔ ۲۹
مغربی طرزِ حیات، انسانی اقدار کے لیے عظیم خطرہ ۔۔۔۔ مولانا عبدالقیوم حقانی ۔۔۔۔ ۴۱
سپین میں مغربی تہذیب کا وحشیانہ کھیل ۔۔۔۔ حافظ محمد اقبال مانچسٹر ۔۔۔۔ ۴۵
سندھ کے مشہور محدثین ۔۔۔۔ جناب ڈاکٹر گل حسن لغاری ۔۔۔۔ ۴۹
روایت حدیث میں اسناد کی اہمیت ۔۔۔۔ مولانا ذاکر حسن نعمانی ۔۔۔۔ ۵۵
دارالعلوم کے شب و روز ۔۔۔۔ شفیق الدین فاروقی ۔۔۔۔ ۵۹
(وزیر اعلیٰ سرحد کی آمد اور سہ ماہی امتحانات)
تعارف و تبصرۂ کتب ۔۔۔۔ مولانا عبدالقیوم حقانی ۔۔۔۔ ۶۳

پاکستان میں سالانہ ۸۰/- روپے فی پرچہ ۸/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۶/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

نئی حکومت، نیا نظام

ملک کے نظریاتی اساس کا تحفظ یا کامل انہدام
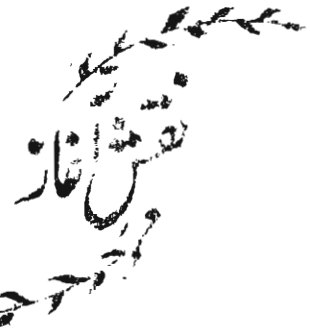
انتخابات کے نتیجہ میں نئی حکومت بن چکی ہے اور مومنٹ جمہوریت برسرِ اقتدار ہے، اس کی سیاسی حریف قوت مسلم لیگ کو حزب اختلاف کا مسند ملا، قوم نے وزیر اعظم کے انتخاب کے روز دونوں رہنماؤں کی تقریریں سنیں ایک نظریاتی ملک کے دونوں سیاسی قائدین کے خطاب میں سب کچھ تھا مگر ملک کی نظریاتی اساس کے تحفظ اور تنفیذ کی بات نہ تھی پہلے جو "ریا" کے لیے کچھ دین اسلام کے نفاذ کی بات کر دی جاتی تھی گو عمل منافقانہ تھا اب وہ بھی ختم ہو گیا خیر سے دونوں قوتیں نڈر ہو کر دینِ اسلام کے خلاف میدانِ عمل میں سب کچھ کر گزرنے کے لیے میدانِ عمل میں آگئی ہیں ؎ اگرچہ پیر ہے مومن، جواں ہیں لات و منات

ملک کے یہ شب و روز کیوں؟ اور نوبت بایں رسید، ولے؟ اگر آپ پاکستان کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو چند حقائق واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔

موجودہ سیاسی قیادت سمیت ملک کے حکمرانوں کو ابتدائے روز سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نظریاتی اساس سے قطعاً کوئی وابستگی نہیں رہی وہ اس چیز سے قطعاً لاتعلق رہے کہ انہوں نے ملک کے نظریاتی اساس کے خلاف کام کرنے والوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔

انہیں اس سے بھی کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے کہ ان کا یہ منافقانہ اور نظریاتی اساس کے خلاف باغیانہ طرزِ عمل ملک کو کس سطح تک پہنچا سکتا ہے اور اسے کن خطرات میں مبتلا کر سکتا ہے۔

ان کی بنیادی بلکہ تمام زعمدردیاں قدم قدم پہ ان عناصر کے لیے وقف رہیں جو پاکستان کو اس کے اسلامی مستقبل سے دور ہٹانے کے لیے کام کر رہے ہیں۔

مروجہ نظام حکومت نے ملک پر جو لعنت مسلط کی وہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام ہے اسی فرسودہ نظام کے صدقے سرمایہ داری نے وہ عروج حاصل کیا کہ رفتہ رفتہ ملک کی دولت سمٹتے سمٹتے چند خاندانوں کے ہاتھ میں آگئی حکمرانوں اور بے دین سیاست دانوں نے ایسی ایسی پالیسیاں اور ایسے ایسے طریقے اختیار کئے کہ

مسلمانوں کا بنیادی عقائد اور پرسنل لا تک محفوظ نہ رہا۔

دوسری طرف عام لوگوں پر زندگی کا دائرہ روز بروز تنگ ہوتا چلا گیا غریب، غریب سے غریب تر اور امیر، امیر سے امیر تر ہوتا چلا گیا۔ کرپشن، بدعنوانیاں اور بد دیانتی انتہاء کو پہنچ گئی۔

پورے ملک میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ بداخلاقی کا طوفان برپا کر دیا گیا اور ثقافت کے نام پر سرکاری سرپرستی میں بے حیائی کو فروغ دیا جانے لگا۔

لوگوں میں ہوسِ زر پیدا کی گئی کہ حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر جس جس راستے سے دولت حاصل کی جاسکتی ہے حاصل کی جائے پرانی جاگیرداریوں پر نئی جاگیرداریوں کے اضافے کئے گئے۔

اپنے ذاتی مفاد پر پورے ملک کے مفاد کو قربان کر دینے میں کوئی تامل نہیں کیا گیا۔

اسی فرسودہ نظام اور متعفن سیاست نے قیادت کا خلا پیدا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور اب جو قوم کو قیادت ملی ہے وہ بھی اسی تہذیب کا انڈہ ہے۔

نئی نسل کو جدید مغربی تعلیم، جدید مادر پدر آزاد اخلاقی اقدار، بے حیائی، عریانی اور وی سی آر کی لعنت میں مبتلا کر کے انہیں اس قدر مدہوش کر دیا گیا کہ ان کے اذھان وقلوب سے اسلامی شعور اور جذبہ جہاد کے نقوش محو ہو گئے ہیں اب وہ کسی شاطر کا آلہ کار تو بن سکتے ہیں مگر اسلامی انقلاب کا مجاہد سپاہی نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ملک کے اندر جو لوگ بھی کبھی قوم کو متبادل دینی قیادت، نظریاتی اساس کا تحفظ کرنے والے رہنما متبادل قیادت کے طور پر فراہم کر سکتے تھے ان سب کو باہمی خلفشار، ناچاقی اور اختلافات میں الجھانے اور بدنام کرنے میں دن رات پروپیگنڈا کیا گیا مقصد یہ تھا کہ پوری قوم اپنی قسمت کو صرف ان افراد اور سیاسی قوتوں سے وابستہ رکھے جو مغربی استعمار کی آلہ کار ہیں اور اس کے سوا پورے ملک میں کوئی اور معاملات کو سنبھالنے والا دکھائی نہ دے۔

الناس علی دین ملوکھم کے فطری اصول کے پیش نظر، عوام میں دینی شعور کے فقدان جذبۂ جہاد دین اسلام کے لیے قربانی وجاں سپاری کے جذبات کی سرد مہری لازمی تھی نتائج بھی وہی سامنے آرہے ہیں جس کا ہم گذشتہ چھیالیس سال سے بیج بوتے رہے ہیں۔

چور نے لوٹنے اور یلغار کرنے سے قبل اسلام کو ظالمانہ وحشیانہ قوانین اور سودی نظام کے تحفظ کے اقدامات سے گھر میں پتھر پھینکے۔ جب دیکھا گھر کا مالک سویا ہوا ہے تو اس نے نہ صرف یہ کہ سامان لوٹا بلکہ اب پوری عمارت کو سے دھڑام گرانے اور نئی عمارت بنانے کی منصوبہ بندی بھی کر لی ہے۔

مگر اس سے قومی زعماء، بہی خواہاں ملت اور دین اسلام کے سپاہیوں کو یاس و قنوط کی کیفیت اپنے اوپر ہرگز نہیں طاری کرنی چاہیئے مغربی قوتوں اور لادینی عناصر کا یہ پروپیگنڈہ ہرگز صحیح نہیں کہ قوم نے دینی قوتوں کو مسترد کر دیا ہے دراصل جو کچھ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ عام معاشرہ بالخصوص نئی پود کے غالب حصہ کو گزشتہ چھیالیس سال میں مسلسل بے دین حکمرانوں، فرسودہ نظام حکومت، لادینی سیاست اور مغربی نظام تعلیم اور مسلسل شدید گمراہ کن تحریکوں نے خراب کیا ہے مگر خدا کے فضل سے اسی خاکستر میں ایسی چنگاریاں بھی موجود ہیں جو اسی فرسودہ عمارت کے تمام ملبے کو جلا کر خاک کا ڈھیر بنا سکتی ہیں نئی پود ہی کا بڑا اچھا عنصر ایسا موجود ہے جس کے ذریعہ سے اسی خراب عنصر کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

حق کے متعلق یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ وہ بجائے خود حق ہے حق ایک ایسی مستقل اقدار کا نام ہے جو سراسر صحیح اور صادق ہیں اگر تمام دنیا اس سے منحرف ہو جائے تب بھی وہ حق ہے کیوں کہ اس کا حق ہونا اس شرط کے ساتھ ہرگز مشروط نہیں ہے کہ دنیا بھی اس کو مان لے۔

دنیا کا اقرار یا انکار سرے سے حق و باطل کے فیصلے کا معیار ہی نہیں ہے اگر دنیا حق کو نہیں مانتی تو حق ناکام نہیں ہے بلکہ ناکام وہ دنیا ہے جس نے اس کو ماننے یا اپنانے سے انکار کر دیا ہے —— البتہ مصائب حق پر نہیں، اہل حق پر آتے رہتے ہیں لیکن جو لوگ سوچ سمجھ کر کامل قلبی اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ یہ فیصلہ کر چکے ہوں کہ انہیں بہرحال حق ہی پر قائم رہنا اور اسی کا بول بالا کرنے کے لیے اپنا سارا سرمایۂ حیات لگا دینا ہے وہ مصائب میں تو مبتلا ضرور ہو سکتے ہیں لیکن "ناکام" نہیں ہو سکتے —— احادیث رسول ﷺ اور قرآنی آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء ایسے گزرے ہیں جنہوں نے ساری عمر دین حق کی طرف دعوت دینے میں کھپا دی مگر ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا، کیا ہم انہیں ناکام کہہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ناکام وہ قوم ہوئی جس نے انہیں رد کر دیا اور باطل پرستوں کو اپنا رہنما بنایا۔

اس میں بھی شک نہیں کہ دنیا میں بات وہی چلتی ہے جسے لوگ بالعموم قبول کر لیں وہ بات نہیں چلتی جسے لوگ بالعموم رد کر دیں لیکن لوگوں کا رد و قبول ہرگز حق و باطل کا معیار نہیں ہے لوگوں کی اکثریت اگر اندھیر میں بھٹکنا اور ٹھوکریں کھانا چاہتی ہے تو خوشی سے بھٹکے اور ٹھوکریں کھاتی رہے اہل علم اور اہل دین اور داعیین حق کا کام بہرحال اندھیروں میں چراغ جلانا ہی ہے جو مرتے دم تک وہ جلاتے رہیں گے اہل دین کو بہرحال اس پر خدا کی پناہ لینی چاہیئے کہ وہ بھٹکنے یا بھٹکانے والوں میں شامل ہوں خدا کا یہ احسان کیا کم ہے اس نے انہیں اندھیروں میں چراغ جلانے کی توفیق بخشی اور کیا خبر! کبھی یہ چراغ بھڑک اٹھے اور کفر و ظلمات کے

محلات کو جلا کر خاکستر کر دے ؂

ٹمٹماتے ہوئے مٹی کے دیے پر ہنسو   یہ بھڑک کر نہ کہیں آتشِ کاشانہ بنے

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔

اب جب نئی حکومت، نئے نظام کی بات کرتی ہے تو اہل دین اور رہنمایان ملت کو یہ فکر کرنا چاہیئے کہ موجودہ حکومت کا نیا نظام کہیں ملک کے نظریاتی اساس کے کامل انہدام کی آخری سازش تو نہیں، ؟ اور موجودہ حالات میں وہ اس کے تدارک اور دفاع میں اپنا مؤثر کردار ادا کرنے میں کیا ردِ عمل اپنا سکتے ہیں ؟

؂ گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ ہے
کس بمیدان در نمی آید سواراں راچہ شد

(عبدالقیوم حقانی)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

بنیاد پرستوں اور بنیاد پرستی کے خلاف امریکہ کی عالمی مہم

ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ سے خطاب

گرامی قدر حضرات ارکان مجلس انتظامی ندوۃ العلماء ——— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ندوۃ العلماء کے ناظم بلکہ ایک خادم کی حیثیت سے اور اپنی ہی طرف سے نہیں بلکہ اپنے رفقائے کار کی طرف سے بھی میں آپ کا دلی خیر مقدم کرتا ہوں اور اس پر تشکر و امتنان کا اظہار کہ آپ نے یہاں تشریف لانے کے لیے اپنے قیمتی، وقیع اور مفید مشاغل اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کی مصروفیت سے وقت نکالا اور زحمت سفر برداشت کی، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور ہم کارکنان ندوۃ العلماء آپ کی رہنمائی وتعاون سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔

حضرات! اس وقیع اجتماع کو دیکھ کر جس میں اہل علم وفکر واصحاب نظر اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے ممتاز نمائندوں کی ایسی وقیع تعداد اس وقت جمع ہے، ندوۃ العلماء کے مشورہ طلب مسائل، اس کے بارہ میں جدید معلومات اور اس کی پیش رفت اور وسعت وترقی کے امکانات کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنے سے پہلے ملت کے ایک خادم کی حیثیت سے جن کی واقعات وحقائق پر اور خطرات اور چیلنجوں پر نظر ہے جو صرف مدارس عربیہ، دینی وعلمی مرکزوں، علمی وتحقیقی کاموں اور تصنیفی سرگرمیوں ہی کے لیے خطرناک نہیں، بلکہ اس ملک میں وجود اسلامی ہی کے لیے خطرہ بن گئے ہیں، ان خطرات کی طرف اشارہ نہ کرنا۔ ہر چند کہ آپ سب حضرات ان سے ناواقف وبے خبر نہیں ہیں۔ اور اس مؤقر مجلس میں ان کی سنگینی اور ان کی وسعت وعمق کی طرف توجہ منعطف نہ کرانا، ان مقاصد ومحرکات، اس حقیقت پسندی ودور بینی اور اس پس منظر کے ساتھ ناانصافی ہوگی جو ندوۃ العلماء کی تحریک کے وجود میں آنے کا باعث ہوئے اور آج ہم کو ان مبصرانہ ومخلصانہ کوششوں کی کامیابی کے نتیجہ میں وجود میں آنے والے مرکز میں جمع ہیں۔

میں اس تکلیف دہ اور بظاہر غیر متعلق تمہید کے جواز کے لیے اردو کے قدیم شاعر کا ایک شعر پڑھ کر یہ دل خراش اور فکر طلب داستان شروع کردوں گا۔

ہم نے اپنے آشیانہ کے لیے جو چبھے دل میں وہی تنکے لیے

"بنیاد پرستوں" اور "بنیاد پرستی" کے خلاف امریکہ کی عالمی مہم

بعض بلیغ اور عمیق المعانی اشعار ایسے ہیں جو کثرت استعمال اور موقع بے موقع ان سے کام لینے کی وجہ سے اپنی معنویت و گہرائی اور غور طلبی یا سنسنی خیزی کو کھو چکے ہیں، اور یہ معاملہ زبان کے ساتھ ہوا ہے انہیں میں سودا کا یہ شعر ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

اسلامی ذہن واعتقاد، فکر ونظر اور مسلم معاشرہ و ماحول کو تاریخ کے مختلف وقفوں میں بہت سی انتشار انگیز اور گمراہ کن یا تشکیکی تحریکوں اور دعوتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے جن میں اعتزال اور خلق قرآن کا عقیدہ، فلسفہ یونان سے حد سے بڑھی ہوئی مرعوبیت اور اس کے مطابق دین کے حقائق وعقائد کی تاویل وتشریح، پھر دور آخر میں مغربی فلسفہ اور مغربی تہذیب سے مرعوبیت اس کے سامنے سپر اندازی اور اس کے مطابق دین کی اور بعض اوقات قرآن کی تفسیر و تاویل، پھر آخر میں الحاد ولادینیت کا رجحان جو جدید تعلیم اور مغربی اقتدار کے اثر سے بہت سے مسلم ممالک اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں پیدا ہوا۔

لیکن ان میں سے کوئی چیز (اپنی وقتی اور مقامی سحر انگیزی اور دلکشی کے باوجود) اسلام کے وجود و بقا کے لیے خطرہ اور اس کو زندگی سے خارج کرنے اور ہر طرح کے اثر اور کامیابی سے محروم کرنے کے لیے ایک گہری سازش اور پھر پورے عالم اسلام کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، جتنی امریکہ سے اٹھنے والی بنیاد پرستی اور بنیاد پرستوں (FUNDAMENALISM FUNDAMENTALIST) کے خلاف نعرہ، جدوجہد اور ایک منصوبہ بند عالمگیر تحریک و دعوت ہے، جس میں یہودی دماغ، امریکہ اور یورپ کا دینی و علمی و فکری و دعوتی سطح پر احساس کہتری (9NEERITY COMPLEX) اسلام کے دائرہ کی وسعت اور خود مغرب میں اس کی اشاعت و مقبولیت کا خطرہ اور آخر میں روس کے انقلاب کے بعد اسلام اور ایک طاقتور اسلامی دنیا کا (جس میں اسلام کے احیاء اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے اور اسی میں دنیا کے سامنے ایک سحر انگیز نمونہ پیش کرنے کی صلاحیت ہے) مادہ پرست مغرب کے خلاف ایک طاقتور محاذ بن جانے کا خطرہ شامل ہے اس کا اصل محرک ہے۔

یہ تحریک جو نشر واشاعت کے ذرائع، ترغیب و ترہیب، سیاسی و مذہبی رشوتوں، وفود کی آمد و رفت، بین الاقوامی مجلسوں اور سب سے بڑھ کر خود اسلامی ملکوں کو اس طبقہ سے خوفزدہ کرنے کے ذریعہ (جو ان اسلامی ملکوں میں اسلام کو زندگی میں داخل کرنے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتا ہے) پہنچائی اور پھیلائی جا رہی ہے اور خود مسلم و عرب ممالک میں صاحب اقتدار طبقہ اور نظام تعلیم اور صحافت و اشاعت کے ذرائع پر قابو رکھنے والے طبقہ

میں یہ ہراس پیدا کیا جا رہا ہے کہ اگر یہ اسلام پسند طبقہ (جس کے لیے "بنیاد پرست" کی اصطلاح ایجاد کی گئی ہے) کامیاب اور حاوی ہو گیا تو یہ حکومتوں اور رہنما اداروں کے لیے پیغام موت ہوگا، ان کو ہر طرح کے اقتدار اور نفوذ و اثر سے محروم ہونا پڑے گا، بلکہ ان کو ان ملکوں میں زندگی گذارنی بھی مشکل ہو جائے گی جہاں وہ سیاہ و سپید کے مالک اور مطلق العنان حاکم ہیں۔

یہ خیال مسلم و عرب ممالک میں تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور مقبولیت حاصل کر رہا ہے، بعض ملکوں میں (جن میں افریقہ کے متعدد عرب ممالک الجزائر، تیونس، لیبیا پیش پیش ہیں اور مصر نے بھی اب اس دائرہ میں قدم رکھ دیا ہے) اب ساری توجہ اور جد و جہد اسی طبقہ اور جماعت کو بے اثر بنا دینے، بلکہ ان کے خطرے سے مستقل طور پر مامون و محفوظ ہو جانے پر مرکوز ہو گئی ہے، جو دین کا اعلانیہ نام لیتا ہے معاشرہ کو دینی تعلیمات اور اسلام کی معاشرتی و اخلاقی اور شرعی تعلیمات کا عامل، حامل اور اس کا نمونہ دیکھنا چاہتا ہے کہیں اس طبقہ کے لیے متشدد دین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے کہیں ملتزمین کا کہیں رجعین کا کہیں مبدئین کا ان کے خلاف بڑے بڑے ذمہ داران حکومت تقریریں کرتے ہیں ان کے متعلق عالم اسلامی کے علماء سے استفسار اور استفتاء کیا جاتا ہے، حکومت کے ترجمان یا ہم خیال اخبارات و رسائل میں مضامین نکلتے ہیں کانفرنسیں اور سیمینار ہوتے ہیں اور اب ڈر یہ ہے کہ شاعر کا یہ مصرعہ ؏

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

حقیقت نہ بن جائے، بلکہ اس سے بڑھ کر مرغ قبلہ نما کی زبان سے یہی الفاظ نہ نکلنے لگیں جو یہ ترقی پسند ممالک اور امریکہ کے غاشیہ بردار بے محابا اپنی زبان سے نکالتے ہیں، اور اس وقت یہودیوں اور مسیحیوں کی سازش کو ناکام بنانے کے لیے جو عالم اسلام کے لیے صلیبی جنگوں اور تاتاری حملوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، علمی و فکری، بلاغی (اشاعتی) و سیاسی و تنظیمی، ملکی و بین الاقوامی ہر سطح پر مؤثر جد و جہد کی ضرورت ہے، کہ جب اسلام کو زندگی سے خارج کر دیا جائے گا اور اصول و مبادی، خطوط و حدود سب مٹا دیئے جائیں گے تو پھر وہ دین کہاں باقی رہ جائے گا جو کفر و ایمان، توحید و شرک، یہاں تک کہ سنت و بدعت، طاعت و معصیت، صلاح و فسق، صدق و کذب اور حلال و حرام میں فرق کرتا ہے اور جو صاف کہتا ہے:

"قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ"

(سورۃ بقرہ - ۲۵۶)

ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے تو جو کوئی طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پہ ایمان لے آئے اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔

اور اس کا مطالبہ ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (سورہ بقرہ - ۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اور جس کا صاف اعلان ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران - ۱۹) یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اس لیے اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج اور اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ وہ تحریک اور مغربی سازش ہے جو بنیاد پرستوں اور بنیاد پرستی کا نام دے کر عمومی مذاہب اور خاص طور پر (اور حقیقتہً) اسلام کے خلاف شروع کی گئی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے ملی تشخص کو ختم کرنے کیلئے مکمل منصوبہ بندی اور ہمہ گیر کوشش ——

جہاں تک ملت اسلامیہ کا تعلق ہے اس کے لیے محض جسمانی و نسلی بقاء و تسلسل، جان و مال کا تحفظ، تعلیمی اقتصادی سیاسی اور جمہوری مواقع و منافع سے انتفاع و استفادہ کی آزادی اور اس سے بھی بڑھ کر کسی جمہوری ملک میں انتظامیہ و حکومت میں شرکت و حصہ داری بھی قطعاً کافی نہیں اور یہ ایک صاحب عقیدہ، صاحب دعوت و پیغام اور مثالی امت کے شایانِ شان نہیں، اس کے لیے ہر دور اور ہر ملک میں "ملی تشخص" کا برقرار رہنا، شعائر اسلام کا حامل ہونا، اپنے دینی عقائد کے مطابق زندگی گزار سکنا، دینی احکام پر عمل کی آزادی، عائلی قانون کا تحفظ، مخصوص تہذیب و معاشرہ کے مطابق زندگی گزارنا بلکہ اس مخصوص زبان و ثقافت کا باقی رہنا بھی ضروری ہے جو اس کے اپنے دین سے واقف اور اپنے ماضی سے مربوط ہونے کا ذریعہ ہے اگر اس کے ملی تشخص کی یہ ضمانتیں اور شرائط مفقود ہو جائیں تو کسی ایسے ملک یا ماحول میں ملت اسلامیہ کو آزاد، محفوظ، باعزت، اور جمہوری زندگی کا شریک و رکن باور نہیں کیا جا سکتا۔

خاص طور پر ایک ایسے ملک میں جو اپنے مزاج، روایات، مذہبی ساخت، اور ہزاروں برس سے ایک قطعہ زمین میں محصور ہونے اور باہر کی متمدن دنیا سے کٹے رہنے اور حد سے بڑھے ہوئے احساس برتری کی وجہ سے دوسرے مذاہب وادیان، تہذیبوں اور ثقافتوں (CULTURES) کو اپنے مذہب و تہذیب اور طریقہ زندگی میں تحلیل میں مشہور ہو، وہاں اس اجتماعی و معنوی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے غیر معمولی جدوجہد اور ہمہ وقت بیداری و مستعدی کی ضرورت ہے، خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے ہندوستان اور اس کی تہذیب و مزاج کو "اکال الامم" کے لقب سے یاد کیا ہے یعنی جو قوم یہاں آئی وہ تحلیل ہو گئی اور اس نے اپنی قومی خصوصیات و امتیازات کو کھو دیا اور "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شدہ" کا منظر سامنے آتا رہا، ایسے ملک میں ملی تشخص اور دینی و تہذیبی ذکاوت حس (SENSITIVENESS) اور

حقیقت پسندانہ محاسبہ اور احتساب قومی کی دوسرے ممالک کے مقابلہ میں زیادہ ضرورت ہے۔

اسلام محض چند عقائد ورسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ پورے مسلکِ زندگی کا حامل وداعی ہے اور وہ "صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً"، کا نعرہ لگاتا ہے اور ہر اس تہذیب ومعاشرہ کو جاہلیت کا نام دیتا ہے جس کا سرچشمہ حکم الٰہی اور ہدایت ربانی کے بجائے ہوا وہوس، مصلحت ومفاد، لذت وعزت یا محض تجربہ وقیاس ہو، اس نے پہلی مرتبہ اس حقیقت سے نقاب کشائی کی ہے کہ کوئی انسانی فرد مجرد عقائد پر زندگی نہیں گزار سکتا اور تہذیب و معاشرت کو، عادات واخلاق اور عقائد وعبادات پر اثر انداز ہونے سے نہیں روکا جا سکتا، ان دونوں کے درمیان دیوار کھڑی کرنے کی کوشش غیر فطری ہے جو "نشأۃ ثانیہ" کے موقع پر مغربی تہذیب نے مذہب کو انسان کا "پرائیویٹ" معاملہ قرار دینے کی صورت میں کی، انسان کی زندگی متفرق اکائیوں کا مجموعہ نہیں جن کو جب چاہا ملا دیا جب چاہا الگ کر دیا بلکہ وہ خود ایک اکائی ہے اور اس اکائی کو "عبودیت"، "اسلام"، "دین"، اور "طاعت"، کے کسی لفظ سے ادا کیا جا سکتا ہے اور یہی تفسیر ہے فرمان خداوندی "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ"، کی۔

اب ندوۃ العلماء اور دارالعلوم کے سلسلہ میں ان کی اپنے مقاصد میں کامیابی اور ان کی وسعت وپیش رفت اور موجودہ صورت حال کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

حضرات! آپ کو یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تجویز کردہ نصاب کو الحمدللہ وسیع مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس نصاب کو کلی طور پر جن مدارس نے قبول کیا ہے ان کی تعداد ایک سو کے قریب ہو چکی ہے، جن میں متعدد جامعات کی سطح کے مدارس ہیں، یہ ملحقہ مدارس اندرون ملک اور ہندوستان کے مختلف اطراف میں پھیلے ہونے کے ساتھ بیرون ملک میں کئی جگہ ہیں مثلاً نیپال، بنگلہ دیش اور ملیشیا ان ملحقہ مدارس کے علاوہ عصری جامعات (یونیورسٹیوں) میں اور متعدد اعلیٰ اور مشہور تعلیمی اداروں میں ندوۃ العلماء کے تیار کردہ زبان وادب عربی کے نصاب کو قبول کیا گیا ہے۔

خود دارالعلوم ندوۃ العلماء میں طلباء کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے حالانکہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے بکثرت درخواستوں کو قبول کرنے سے معذرت کر دی جاتی ہے، رہائش کی ساری گنجائش ختم ہو چکی ہے، اس وقت دو ہزار طلباء احاطہ دارالعلوم کے اندر ہی مقیم ہیں۔

ندوۃ العلماء کی ترقی اور توسیع اس کے لیے ذرائع آمدنی کے حصول وقیام اور دارالعلوم کی تعمیرات میں تجدید و اضافہ کے سلسلے میں رجو ہر اس شخص کو کھلی آنکھوں نظر آتا ہے جس نے دارالعلوم کو ربع صدی پہلے دیکھا ہے نائب ناظم کا جو حصہ ہے وہ آپ حضرات سے مخفی نہ ہوگا۔ وہ باوجود صحت کی کمزوری کے جو محنت وتوجہ کرتے ہیں وہ

ندوۃ العلماء کے لیے نہ صرف اطمینان و مسرت کی بات ہے بلکہ مدارس عربیہ اور دینی کاموں کے لیے لائق تقلید اور باعث فخر ہے اب ڈیڑھ سال سے وہ اپنی خدمات کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لے رہے ہیں اور تطوعاً وحسبۃً للہ کام کر رہے ہیں، باوجود راقم کے اصرار اور طلب کے انہوں نے ابھی تک اس کو قبول نہیں کیا، رہائش اور دیگر ضرورتوں سے بھی وہ مفت فائدہ نہیں اٹھاتے۔

ندوۃ العلماء کو معتمد تعلیم مولوی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی سے بھی بڑی تقویت حاصل ہے وہ مکہ مکرمہ سے اپنے خرچ پر ندوۃ العلماء کی خدمت کے لیے آتے ہیں اور ندوۃ العلماء کے تعلیمی نظام کی تقویت کا باعث بنتے ہیں، ان کے پختہ علمی ذوق، تدریسی تجربات اور متعدد عربی اسلامی اور مغربی جامعات میں طویل قیام اور وسیع واقفیت سے ندوۃ العلماء کو بڑی مدد ملتی ہے اور دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ کے سامنے ایک اچھا اور قابل تقلید نمونہ سامنے آتا ہے، نصاب کی تجدید اور بعض فنی کتابوں کی تصنیف و تدریس میں بھی ان کا خاص حصہ ہے۔

اب ایک سال سے پروفیسر محمد وصی صدیقی فرزند جناب ماسٹر محمد سمیع صدیقی مرحوم استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء سابق پرنسپل شاہجہاں پور اسلامیہ کالج کی رضا کارانہ خدمات بھی حال میں ندوۃ العلماء کو حاصل ہو گئی ہیں وہ نائب معتمد مال کی حیثیت سے ندوۃ العلماء کے معاملات میں مدد و رہنمائی کرتے ہیں اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

ندوۃ العلماء نے نصاب و نظام تعلیم میں جو بہتر سے بہتر طریقہ ہو سکتا ہے اختیار کرنے کا التزام رکھا ہے نصاب تعلیم میں علوم اسلامیہ کے بنیادی مضامین تفسیر و حدیث و فقہ کی کتابیں اس معیار و مقدار سے شامل ہیں جو برصغیر کی دینی تعلیم کی مستند و قدیم درسگاہوں میں شامل نصاب ہیں، ان کے علاوہ زبان و ادب کے ضروری مضامین اس معیار سے شامل کیے گئے ہیں کہ ان سے تحریری و تصنیفی، دعوتی و فکری میدان میں (نطقاً و کتابۃً) اظہار خیال و اصلاح حال کا کام لیا جا سکے اور اس سلسلے میں ندوۃ کے فضلاء نے عالم عربی میں پیدا ہونے والی متعدد انحرافی و تحریفی تحریکوں (مثلاً قومیت عربیہ غیر محدود آزاد خیالی اور مغرب کی مکمل تقلید) کا قوت و قابلیت کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور ان کی ایسی تردید کی ہے جس کا فضلائے عرب نے بھی اعتراف کیا ہے۔

اس تنوع اور وسعت کی وجہ سے ندوۃ العلماء میں اعلیٰ تعلیم چار شعبوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ کلیۃ علوم الدین، کلیۃ اللغۃ والآداب، معہد القضاء والافتاء، معہد الفکر والدعوۃ ان میں سے ہر شعبہ ایک بڑے استاد کی سربراہی میں اور متعدد بڑے اساتذہ کی مشارکت سے کام کرتا ہے، ان شعبوں کے علاوہ کتب خانہ کا شعبہ ہے جو ایک مرکزی اور پانچ ذیلی کتب خانوں پر مشتمل ہے۔

ایک شعبہ صحافت و نشریات کا ہے جس سے دو عربی کے اور ایک اردو کا پرچہ نکلتا ہے اور ان کو اپنے اپنے دائرہ میں رفعت و اعتراف و احترام حاصل ہے، ان کے علاوہ شعبۂ حفظ و قرأت معہد ثانوی و ابتدائی، معہد

(بقیہ صفحہ ۱۷ پر)

مولانا اکرام اللہ جان قاسمی، فاضل دیوبند ناظم اعلیٰ جامعۃ البنات
الاسلامیہ سرڈھیری

قرآن و سنّت اور مسلمان خواتین

عورت معاشرہ کا ایک اہم جزو بلکہ نصف معاشرہ ہے اس کی عدم موجودگی سے معاشرہ تو کیا ایک خاندان بھی تکمیل نہیں پاتا۔ بدقسمتی سے گذشتہ تہذیبوں میں اس صنف کی بعض کمزوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسے نہ صرف پس پشت ڈالا گیا تھا بلکہ بعض مہذب معاشروں میں اس کو ایک مشین یا گھر کے سامان بلکہ اس سے بھی کمتر چیز کی حیثیت دی گئی تھی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق قدیم یونان میں عورت کا درجہ اتنا گرایا گیا تھا کہ اس کی حیثیت بچہ پالنے والی باندی کی ہو کر رہ گئی تھی[1]

اس وقت کی اس متمدن تہذیب میں عورت کی ساری زندگی غلامی میں گذر جاتی تھی جب تک اس کی شادی نہ ہوتی تھی وہ مالک یا باپ کی غلام ہوتی تھی اور شادی ہو جانے کے بعد وہ خاوند کی غلام بن جاتی تھی، زدو کوب کرنا اور تادیبی کاروائی کرتے ہوئے غیر انسانی سزائیں دینا عیب نہیں سمجھا جاتا تھا[2]

قدیم روم میں عورت کی حیثیت غلام کی سی تھی اُس کو بازار میں بیچا جا سکتا تھا اور خریدا جا سکتا تھا کسی بھی کوتاہی پر اس کو قتل کرنا کوئی قابل سزا جرم نہ تھا[3]

قدیم عیسائیت نے بھی عورت کو انتہائی پست درجہ دیا تھا اُسے شیطان کا دروازہ اور تمام خباثتوں کی جڑ قرار دیا گیا تھا۔ بائیبل کے مطابق عورت کو چاہئے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے[4]

نیز اگر کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرے اور پسند نہ آئے تو طلاق دے کر گھر سے چلتا کردے[5]

قدیم ہندومت کے مطابق اگر عورت جھگڑا کرے تو اسے فوراً طلاق دی جائے اور اگر خاوند سے دشمنی کرتی ہو تو ایک سال انتظار کرنے کے بعد زیور اور کپڑے سب کچھ چھین کر گھر سے نکال باہر کی جاوے[6]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ ج ۱۹ص ۹۰۹ - ۱۹۸۴ء ایڈیشن۔ [2] اسلام کا معاشرتی نظام از اصغر علی شاہ۔ ص ۱۲۷، ۱۲۸

[3] ایضاً [4] بائیبل۔ گنتی۔ ۱۔ کرنتھیون ۱۱ - ۱۰

[5] بائیبل استثناء ۲۴ - ۱

[6] منوسمرتی ۹: ۷۷ - ۸۱

موجودہ مغربی تہذیب نے آزادئ نسواں کی آواز بلند کی تو بجائے اس کے کہ عورت کو معاشرہ کا اعلیٰ فرد قرار دے کر اس کو اس کے صحیح اور جائز حقوق دیئے جاتے اُسے گھر سے باہر کر دیا گیا اور گھر جو کہ ایک چھوٹی سی حکومت تھا جس کی سربراہ عورت تھی اور جہاں پر انسانیت کی تیاری کا سامان تھا۔ موجودہ مغربی تہذیب نے عورت کا یہ محفوظ ٹھکانہ تباہ کر کے اُسے دَر دَر ٹھوکریں کھانے اور ذلیل و رسوا ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب نہ اُس کی عزت محفوظ ہے نہ جسم و جان۔ چند پیسوں کی خاطر یہ بک جاتی ہے۔ لُٹ جاتی ہے۔ مگر جدید زمانہ (MODERN AGE) ہے کہ اسی کو اوجِ ثریّا گردانتا ہے جب کہ یہ صورتِ حال عورت کے لیے قعرِ ذلت کی انتہاہ گہرائیوں میں زندہ درگور ہونے کی مترادف ہے۔

ابتداءً عیسائیت میں طلاق کا تصور نہیں تھا جیسا کہ بائیبل میں ہے کہ مسیح علیہ السلام سے سوال کیا گیا در کیا جائز ہے کہ مرد ایک سبب سے اپنی بیوی کو طلاق دے دے آپ نے فرمایا کہ جسے خدا نے ملا دیا ہے اُسے انسان جدا نہ کرے [1]

مگر بعض ناگزیر حالات میں طلاق نہ صرف طرفین کو اذیّت سے بچانے کا سبب ہو سکتی ہے بلکہ معاشرہ میں سے بگاڑ ختم کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔ چنانچہ مشرقی کلیسا نے قانونِ فطرت کے تحت نہ صرف طلاق کی اجازت دے دی بلکہ ۱۰۱۹ء میں انگلستان میں مرد و عورت دونوں کو طلاق کا اختیار دیا گیا جس سے ایک بحران پیدا ہوا اور یوں طلاق کی شرح اس حد تک بڑھی کہ انگلستان کی ایک عدالت جب تعطیل کے بعد کھلی تو پہلے ہی روز چار ہزار ایک سو طلاق کی درخواستیں پیش ہوئیں [2]

اسلام نے آکر عورت کو نہ صرف سابقہ غلامانہ تہذیبوں سے نجات دلائی بلکہ اُس کو اس کے جائز حقوق اور اعلیٰ مقام دے کر رفعت و بلندی کی معراج پر پہنچایا اور مرد و زن کے حقوق کی تقسیم اور عورت کو اس کے اعلیٰ مقام دینے میں وہ ہمہ گیر اور بے بدل نظام پیش کیا جس کی نظیر پیدائش گیتی سے لے کر قیامت تک ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس تمہید کے بعد اب اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں عورت کا کیا مقام ہے اور اس کے حقوق اور ذمہ داریاں کیا ہیں۔

مرد و زن کے حقوق کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے۔

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف	اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان
وللرجال علیهن درجة والله	پر حق ہے دستور کے موافق، اور مردوں کو

---

[1] انجیل - متی ۱۹ : ۶ [2] زم زم - لاہور، ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۲ء

عزیز حکیم ٥ عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے [۱]

عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کرتے ہوئے قرآن پاک گویا ہے۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن	اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح، پھر اگر
فعسیٰ أن تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ	وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور
فیہ خیراً کثیراً [۲]	اور اللہ نے رکھی ہے اس میں بہت خوبی۔

سابقہ تہذیبوں کے برخلاف اسلام نے عورت کو میراث کا حقدار ٹھہرایا چنانچہ ارشاد ہے۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان	مردوں کے لیے ماں باپ کے ترکہ میں سے
والاقربون وللنساء نصیب مما ترک	حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی ماں باپ
الوالدان والاقربون مما قل منہ	کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ (ترکہ) تھوڑا ہو
او کثر نصیباً مفروضاً [۳]	یا بہت۔ یہ حصہ مقرر ہے۔

مخصوص جسمانی ساخت کے اعتبار سے جو مرد و زن میں فطری فرق ودیعت کیا گیا ہے اس کی وجہ سے بظاہر حقوق میں اونچ نیچ نظر آتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کو اس کے جائز حقوق نہیں دیئے گئے ہیں۔ جس طرح ایک ڈاکٹر کہتا ہے ناخن کے مقابلہ میں آنکھ کی زیادہ حفاظت کرنی چاہیئے تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک ہی جسم کے اعضاء میں فرق کیا گیا۔ اسی طرح اسلام نے جو مرد و زن کے حقوق میں مرد کو معمولی برتری دی ہے وہ عورت کی مخصوص جسمانی و ذہنی تفاوت کی وجہ سے ہے [۴]

پھر مرد عورت کے حقوق کی ظاہری اونچ نیچ کا تعلق اسی مادی دنیا تک ہے اور شریعتِ مطہرہ میں نیکی کرنے اور احسان کے مراتب حاصل کرنے میں مرد عورت دونوں برابر ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:۔

من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو	جس نے نیک عمل کیا چاہے وہ مرد ہو یا عورت
مؤمن فاولئک یدخلون	بشرطیکہ وہ مؤمن ہو۔ تو ایسے لوگ جنت میں
الجنۃ [۵]	داخل ہوں گے۔

---

[۱] سورۃ البقرۃ۔ آیت ۲۲۸ [۲] سورۃ النساء۔ آیت ۱۹

[۳] سورۃ النساء۔ آیت ۷ [۴] "خاتونِ اسلام"۔ از مولانا وحید الدین خان ص ۵

[۵] سورۃ مؤمن۔ آیت ۴۰

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو	اور جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا
مؤمن فلنحیینہ حیوٰۃً طیبۃً	عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی
ولنجزینھم اجرھم باحسن ما	عطا کریں گے اور اس کو اس کے بہترین عمل
کانوا یعملون۔[1]	کے مطابق اچھا بدلہ دیں گے۔

شریعتِ اسلامیہ نے دین کے کاموں میں مرد و عورت دونوں کو برابر کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:۔

والمؤمنون والمؤمنات بعضھم	مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے
اولیاء بعض یأمرون بالمعروف	رفیق ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے
وینھون عن المنکر ویقیمون	منع کرتے ہیں وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ
الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ	ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی
ویطیعون اللہ ورسولہ اولٰئک	اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ
سیرحمھم اللہ۔ ان اللہ عزیز حکیم۔[2]	رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے

اس طرح جب ہم احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر دوڑاتے ہیں تو سابقہ تہذیبوں اور مذاہب کے برخلاف جن میں عورتوں کو گناہ و فساد کی جڑ اور شیطان کا دروازہ اور مکر و فریب کا مجسمہ قرار دیا گیا تھا، ہم دیکھتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نہ صرف مسلم معاشرے کا اعلیٰ فرد قرار دیا ہے بلکہ ان کے ساتھ انتہائی نرمی کا برتاؤ کرنے اور ان کی لغزشوں سے درگذر کرنے کا تاکیداً فرمایا ہے۔ چنانچہ امام مسلمؒ اپنے مجموعۂ احادیث میں فرماتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمروؓ قال قال	حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضورؐ کا ارشاد نقل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا	فرماتے ہیں کہ دنیا تمام سرمایہ ہے اور اس
کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ	سرمایہ میں سے بہترین سرمایہ نیک عورت
الصالحۃ۔[3]	ہے۔

حضور پاکؐ نے عملی طور پر عورت کے احترام کا درس دیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

---

[1] سورۃ النحل۔ آیت ۹۷ [2] سورۃ التوبۃ۔ آیت ۷۱ [3] مسلم شریف۔

عن اسماء بنت یزید رض قالت مر علینا رسول اللہ ﷺ فی نسوۃ فسلم علینا۔ ۱؎	حضرت اسماء بنت یزیدؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ ہم عورتوں کی جماعت پر گزرے تو آپؐ نے ہمیں سلام کیا۔

آپؐ ہی کا ارشادِ گرامی ہے۔

حُبّبَ الیّ من دنیاکم الطیب و النساء۔	مجھے تمہاری دنیا میں سے خوشبو اور عورتیں پسند ہیں۔

عورتوں کو نیک صفات سے متصف ہونے کو سراہا گیا ہے ایک حدیث شریف میں اچھی عورت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ رض قال قیل لرسول اللہ ﷺ ای النساء خیر۔ قال التی تسرّہٗ اذا نظر و تطیعہ اذا امر ولا تخالفہ فی نفسھا ولا فی مالہ بما یکرہ۔ ۲؎	حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی عورت بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جسے خاوند دیکھے تو خوش کر دے اور جب حکم دے تو وہ مانے اور اپنے نفس اور اس کے مال میں اس کی پسند کے خلاف نہ کرے۔

ایک اور حدیث شریف میں نیک عورت کو دنیا جہان کی تمام بھلائیوں کا چوتھا حصہ قرار دیا گیا ہے رحمت للعالمینؐ نے فرمایا ہے۔

عن ابن عباسؓ أن رسول اللہ ﷺ قال اربع من أعطیھن فقد اُعطی خیر الدنیا والآخرۃ۔ قلب شاکر ولسان ذاکر وبدن علی البلاء صابر وزوجۃ لا تبغیہ خوفاً فی نفسھا ولا مالہ۔ ۳؎	حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں جس کو دی گئیں اُسے دنیا و آخرت کی بھلائی دی گئی۔ ایک شکرگذار دل۔ دوسرا ذکر والی زبان، تیسرا مصیبتوں پر صبر کرنے والا بدن اور ایسی بیوی جس کے نفس اور اپنے مال میں اس کو کوئی ڈر نہ ہو۔

ایک فطری جذبہ کے تحت نرینہ اولاد کو ترجیح دی جاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ لڑکی کی پیدائش دخولِ جنت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ ارشاد ہے۔

۱؎ ابوداؤد ۲؎ نسائی ۳؎ البیہقی

من کانت له انثی فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یؤثر ولدہ علیھا۔ ادخله الله الجنة۔ ابوداؤد	جس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اس نے اسے زندہ نہیں گاڑا اور نہ اسکی تحقیر کی اور نہ اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح دی اللہ پاک، اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

لڑکیوں کی پرورش کے بارے ایک دوسری جگہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔

من عال ثلاث بنات فادبھن وزوجھن واحسن الیھن فله الجنة۔ ابوداؤد	جس کی تین بیٹیاں ہوں پس اس نے انہیں ادب سکھایا اور ان کی منگنیاں کر دیں اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا تو ایسے شخص کے لیے جنت ہے۔

چنانچہ "مشت نمونہ از خروارے" کے مصداق جو کچھ قرآن و حدیث سے عورت کے حق میں بیان ہوا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا مقام دیا ہے۔ اس کے حقوق و فرائض کیا ہیں۔ اور کس طریقہ سے وہ اپنے رب کو راضی کر کے آخرت کی ابدالآباد زندگی کو سنوار سکتی ہے۔ اللہ پاک کی بارگاہ عالیہ میں دعا ہے۔ کہ وہ ہمیں اسلام کے ابدی اور عظیم الشان اصولوں کو سمجھنے اور اس پر زندگی بھر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کے ذریعہ سرخرو و کامران فرما دے۔ آمین یا رب العالمین۔ (بقیہ صلا سے)

تعلیم خصوصی کے شعبے ہیں، الحمد للہ سب شعبے اچھے طریقے سے کام ۔ ۔ ۔ ۔ کر رہے ہیں، دار الاقاموں کی دا یونٹیں ہیں، ہر یونٹ کے طلبہ ایک استاد کی نگرانی میں ہیں اہتمام کے کاموں کی وسعت و تنوع کی وجہ سے مہتمم صاحب کے تعاون و نیابت کے لیے ایک بڑے استاذ (مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی) مشرف اداری و تعلیمی کے نام سے کام کرتے ہیں، جن کے تعاون و مشارکت سے دار العلوم کے تعلیمی و انتظامی کاموں کی انجام دہی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ندوۃ العلماء کی شہرت الحمد للہ اسلامی و عرب ممالک میں بہت اچھی ہے اور اس کی وجہ سے وہاں دعوتی و فکری کام کرنے کا میدان کھلا ہوا ہے اور یہاں کا عربی لٹریچر اور دعوتی و فکری مضامین و رسائل وقعت بلکہ رغبت و طلب کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ رابطہ الادب الاسلامی جو ۱۹۸۶ء میں اسلامی الفکر عرب ادباء کی تحریک پر حجاز میں قائم ہوئی بین الاقوامی اور عالمی تنظیم کی ذمہ داری، صدارت اور سکریٹری شپ کے عہدے یہیں کے فضلاء اور منتسبین کے حوالے کیئے گئے۔

ان چند حقائق و معلومات کے ساتھ جو موجب شکر و امتنان ہیں اور ارکان مجلس انتظامی کے تحدیث بالنعمۃ اور ان کے مسرت و اطمینان کے لیے پیش کیے گئے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ سے اخلاص و استقامت، تائید و نصرت، اور حفاظت و صیانت، بلکہ توفیق و ہدایت اور قبولیت کی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے، خادمان ندوۃ العلماء اور معزز ارکان انتظامی سے درخواست ہے کہ وہ اس کا اہتمام فرمائیں۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

حدیث نبوی کا بلاغی اعجاز

(۲)

مگر جب نبوت و رسالت کے دائمی و زندہ جاوید معجزہ کی ضرورت پیش آئی اور انسانیت کو حکمت لایزال وقدیم کی حامل کتاب زندہ قرآن حکیم عطا ہونے کا وقت آیا تو اس کے لئے عربی زبان اور بلاد عرب کو چنا گیا۔ یہاں کے لوگ روز ازل سے دنیا کے جھمیلوں سے الگ تھلگ اہل جنت کی سی سادہ مگر اکھڑ فطرت کے ساتھ ساتھ تمام آمیزشوں سے پاک ثقافت وزبان بھی رکھتے تھے۔ امام بلاغت العرب ابو عثمان الجاحظ نے لکھا ہے کہ عرب کے بادیہ نشین کسی فکر وفلسفہ اور تہذیب وتمدن کے مالک تو نہ تھے لیکن اس کے بدلے میں انہیں دو خوبیوں سے نوازا گیا تھا۔ ایک ذلاقتہ اللسان یعنی زبان کی تیزی اور کاٹ تھی اور دوسری بداھتہ البیان یعنی فی البدیہہ خطابت و زور بیان(۳۳)۔ مگر مصطفیٰ صادق الرافعی کی رائے یہ ہے کہ عرب کے ہر بڑے سے بڑے خطیب ومقرر کی فصاحت وبلاغت اپنی تمام پختگی ومہارت کے باوجود قبل از وقت تیاری، سوچ بچار اور غور وفکر کی محتاج نظر آتی ہے، جو تکلف اور تصنع کی ملاوٹ سے بھی خالی نہ ہوتی تھی۔ عرب کے یہ فصحاء وبلغاء اپنے بڑوں سے اخذ و تعلم اور وسیع تجربہ وممارست کے بعد کسی مرتبہ ومقام پر فائز ہوتے تھے مگر بایں ہمہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو عیوب خطابت سے کلی طور پر مبرا ومنزہ ہوتا(۳۴)۔

اب گویا فصاحت وبلاغت کے چرچوں اور بلاغت نبویؐ نے اپنا جادو جگانا تھا، اور ہنگامہ آرائی کا جواب اعجاز القرآن ہی تھا، چنانچہ دس سورتیں پھر ایک سورت لانے کا چیلنج دیا گیا اور جب کوششیں ناکامی کے قدرتی انجام سے ہمکنار ہو گئیں تو یہ کہہ دیا گیا کہ اگر تمام جن و انسان مل کر ایک دوسرے کی مدد کر کے بھی معجزہ قرآنی کا جواب لانا چاہیں تو بھی نہیں لا سکیں گے۔ (۳۵) تمام جن و انس کو یہ چیلنج دینا دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آنے والے تمام زمانوں میں ازل سے ابد تک یہ چیلنج قائم و دائم رہے گا اور معجزہ قرآنی بلکہ معجزات قرآنی کا جواب کسی کے پاس کوئی نہیں ہو گا، اسی لئے یہ چیلنج کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ قرآن کا

جواب نہ کل تھا نہ آج ہے اور نہ کل ہو گا ۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ کل بھی تھا، آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

مگر ہمارا موضوع اس وقت اعجاز القرآن نہیں بلکہ اعجاز محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ و السلام ہے اور ہماری توجہ و اہتمام کا مرکز فصاحت وبلاغت نبویؐ کا اعجاز ہے ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت بھی بلاشبہ ایک معجزہ ہے اور یہ معجزہ بھی درحقیقت قدرت ربانی کا ہی کرشمہ واعجاز ہے ۔ نبیؐ اور رسول بلاشبہ خدا نہیں ہوتا مگر وہ کسی طرح کسی حال میں بھی خدا سے جدا نہیں ہوتا ۔ اللہ رب العزت نے اپنی ذات بے ہمتا کو اپنے اسی بندے کے واسطے سے تو منواتا ہوتا ہے ، اگر اس کا یہ بندہ خود معجزہ نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کیسے منوائے گا ۔ اگر اللہ رب العزت اپنے اس بندے سے الگ اور جدا ہو جائے تو اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کوکون تسلیم کرے گا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبائل شناسی اور انساب دانی میں یکتائے روزگار مسلم تھے۔ وہ جزیرہ عرب کے قبائل کی تاریخ ، ان کے فصحاء وبلغاء اور ادباء وشعراء سے بھی آگاہ تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن سے جوانی تک یارغار ہونے کے باوجود یہ نہ جانتے تھے کہ آپ نے فصاحت وبلاغت کا سلیقہ کہاں سے سیکھا ہے، اس لئے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!(۳٦)

"لقد طفت فی العرب وسمعت فصحاء هم فما سمعت افصح منک فمن ادبک یارسول اللہ ؟ فقال: ادبنی ربی فاحسن تادیبی"

یعنی میں عرب میں گھومتا پھرتا رہا ہوں اور میں نے ان فصحاء کو بھی سنا ہے مگر میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کو فصیح وبلیغ نہیں پایا تو اے اللہ کے رسولؐ !

آپ کو یہ اسلوب ادبی کس نے سکھایا ہے آپ نے فرمایا ابوبکرؓ مجھے تو میرے رب نے ہی ادب سکھلا دیا ہے تو کیا خوب ادب سکھلا دیا ہے!

اب آپ نے یہ واقعہ تو بارہا پڑھا اور سنا ہو گا، نبیؐ اور ان کے صدیقؓ کے اس سوال و جواب سے بھی آپ بخوبی آگاہ ہوں گے ، ذرا غور فرمایئے کہ وہ ابوبکر صدیقؓ جو قبائل عرب اور ان کے انساب کے ماہر تھے کہ لوگ انہیں نسب العرب یعنی عرب کا سب سے بڑا نسب داں تسلیم

کرتے تھے۔ اور وہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفولت، شباب اور کہولت کے عینی شاہد بھی تھے، اپنے یارِغار کی کوئی بات ان سے چھپی نہ تھی مگر کبھی انہیں کسی سے ادب کا درس لیتے نہ دیکھا تھا، کسی خطیب وبلیغ سے اصول خطابت و بلاغت سیکھتے نہ سنا تھا۔ مگر یکایک کتاب اللہ کے نزول کے آغاز اور منصب رسالت سے نوازے جانے کے بعد یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور یہ پوچھنے پر مجبور ہو گئے کہ فصاحت وبلاغت کا یہ سیل رواں وبیکراں کس کا فیض ہے۔ ظاہر ہے سوال وہی کرتا ہے جس سے کوئی بات چھپی ہوئی ہو وہ سب کچھ تو جانتا ہو مگر کوئی ایک بات اسے حیران کر رہی ہو، یہ معلوم تھا کہ میرا دوست بنو ہاشم کا چشم وچراغ ہے، قبیلہ بنو سعد بن بکرؓ میں پلا بڑھا ہے پھر تمام عمر کاروبار زندگی میں ایک ساتھ رہے ہیں، صدق وامانت میں کلام نہیں، جب نبوت کا اعلان فرمایا تو بلاچوں وچراں مان لیا کہ صادق وامین کی زبان سے ہر ایک کے لئے سچ کے سوا کچھ نہیں نکلا تو وہ معاذ اللہ صرف اپنے خالق و مالک قادر مطلق رب العزت پر افتراء باندھے گا، ہرگز نہیں، فرما دیا کہ جبرئیل امین تھا، اس نے منصب نبوت ورسالت کی بشارت دی ہے اور وحی ربانی سے مشرف کیا گیا ہے۔ چنانچہ بلا چوں وچراں ایمان لے آئے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ روز مرہ کے کلام نبوتؐ کے پس منظر سے آگاہ نہ تھے کہ یار نے کب اور کہاں سے یہ فیضان بلاغت پایا ہے۔ لہٰذا سوال کر ہی لیا، جواب ملا کہ یہ تو بس میرے رب کا فیض عام وکرم دوام ہے اور تم دیکھتے ہو کہ میرے رب نے مجھے کتنے خوبصورت انداز میں اسلوب ادب سکھلا دیا ہے!

بات دراصل یہ ہے کہ نبی کی ذات مجسم معجزہ خداوندی ہوتی ہے، اس کا نبوتؐ ورسالت کے منصب پر فائز ہو جانا ہی اللہ رب العزت کا اعجاز اور اس کی قدرت مطلقہ کا کرشمہ ہوتا ہے۔ نبی و رسول کوئی عام آدمی نہیں رہتا بلکہ وہ تو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور من کان اللہ کان اللہ لہ، کی زندہ تصویر بن جاتا ہے، نبی کی ذات کی یہی حقیقت صادقہ ہے جو ہر زمانے میں اس کے مخاصین کے لئے ناقابل فہم اور ناقابل یقین رہی ہے۔ کفار مکہ کے لئے بھی یہی حیثیت نبویؐ ناقابل فہم اور ناقابل تسلیم تھی، سب کہتے تھے "انتم بشر مثلنا" کہ تم تو ہم سے انسان ہی ہو، اور جواب ہوتا تھا" "نحن بشر مثلکم یوحی الینا" بھئی ہم بشر تو تم جیسے ہی ہیں بس یہ کہ ہم پر وحی ہوتی ہے محمد رسول اللہ سے [illegible] میہ بن خلف، اور ولید بن مغیرہ وغیرہ یہی کہتے تھے کہ "ان انت الا بشر مثلنا" تو تو ہم سا انسان ہی ہے، حکم ہوا کہ فرما دیجئے "انما انا بشر مثلکم یوحی الی

(۳۷)" میں بشر تو تم جیسا ہی ہوں مگر وحی ربانی سے بھی تو نوازا گیا ہوں۔

اب یہ " یوحیٰ الیّ" (میری طرف وحی ہوتی ہے) کوئی معمولی بات نہیں ہے' جسے بعض لوگوں نے شاید معمولی سمجھ لیا ہے' یہ بہت بڑی بات ہے ' بلکہ سب سے بڑی بات ہے بلکہ سب کچھ ہے ہی یہی ۔ تم دنیاوی معاملات میں کہتے ہو فلاں بادشاہ ہے باقی بادشاہ نہیں ہے ' فلاں صدر مملکت ہے باقی قوم صدر نہیں ہے ' فلاں وزیراعظم ہے باقی عوامی نمائندگان وزیراعظم نہیں ہیں تو یہ فرق تمہارے نزدیک کوئی معمولی بات ہے' یہ تو تمہارے حقیر دنیاوی معاملات کی بات ہے ۔ بادشاہت وحکمرانی ملتی ہے پھر چھین لی جاتی ہے یہ بادشاہت وحکمرانی دینے والے تو وقت کے انسان ہوتے ہیں ' جب اس امتیازی فرق کا یہ عالم ہے تو پھر اس امتیازی فرق کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے ؟ جس کا تعلق اللہ اور اس کے رسولوں سے ہے ' یہ منصب رسالت ونبوت کے عالم ارض کو عالم سماوی سے جوڑتا ہے ۔ یہ رسالت ہی تو ہے جو فرش کو عرش پر پہنچاتی اور عرش کو فرش پر لاتی ہے تو یہ کوئی اتنی معمولی بات ہو سکتی ہے؟ اللہ رب العزت تو فرماتا ہے کہ "ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء" (۳۸) (یہ وحی ونبوت تو اللہ تعالی کا فضل ہے وہ جسے چاہے دیتا ہے) اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ربانی عطا فرما کر ارشاد ہوا کہ "وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما" تجھے تو وہ کچھ سکھلا دیا ہے اس نے جو تو نہیں جانتا تھا اور یہ تو اللہ تعالی کا تجھ پر فضل عظیم ہوا ہے!(۳۹)

تو گویا یوحی الی کوئی معمولی بات نہیں ہے' فضل نبوت فضل عظیم ہے ' نبوت تو بشر کو بشیر و نذیر بنا دیتی ہے ۔ وہ اللہ کا معجزہ ہو جاتا ہے 'اس کی ہر بات معجزہ ہوتی ہے 'اس کا کلام بھی معجزہ ہوتا ہے 'نبی ہمیشہ اللہ کا ہوتا ہے اور اللہ اسے اپنے سے کبھی جدا نہیں کرتا 'اس کے سامنے سمندر کی موج ہوتی ہے اور پیچھے فرعون کی فوج ہوتی ہے مگر وہ کسی خوف وخدشہ یا حزن وملال کے بغیر بلا جھجک آواز بلند کرتا ہے کہ "کلا ان معی ربی سیھدین!" کہا ہرگز نہیں (نہ فوج کی پرواہ ہے نہ موج کی) میرے ساتھ تو میرا رب ہے ' اس نے تو میرے لئے راستہ نکالنا ہی ہے(۴۰)' تو اسے کہتے ہیں پیغمبرانہ اعجاز یا اعجاز پیغمبری ! اللہ تعالی کے برگزیدہ بندے خود اپنی ذات اور اپنے وجود میں ایک معجزہ ہوتے ہیں ۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اللہ کا پیغمبر اپنی ذات اور اپنے وجود میں سرچشمہ ہوتا ہے معجزات کا۔اس کا ہر سانس' ہر قدم 'اور ہر بات اللہ تعالی کی مرضی کے تابع ہوتی ہے

اس لئے ان برگزیدہ ہستیوں سے معجزات کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔

ایسے فیصلہ کن لمحات میں جیساکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ایک لمحہ درپیش تھا' عام مصلحین وزعماء کے قدم ڈگمگانے کے لمحات ہوتے ہیں مگر رسل وانبیاء کا مرتبہ ومقام اس سے بلند تر ہوتا ہے' ان کے قدم ثابت ومستحکم رہتے ہیں بلکہ ثبات واستقامت میں معجزات کا ظہور ہوتا ہے' وہ "من کان للہ کان اللہ لہ" کی سچی تصویر ہوتے ہیں' ہر قول اور ہر فعل "گفتہ او گفتہ اللہ بود" کی مثال ہوتا ہے۔

گروہ انبیاء میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام چونکہ سب سے بالا وبرتر ہے اس لئے آپ کی ذات والا صفات ہربات اور ہر پہلو میں کمالات کے بام عروج پر ہے۔ صبرو عزیمت میں' ثبات واستقامت میں' مکارم اخلاق وحسن معاشرت میں' قیادت 'خطابت ذکر وعبادت' حکمت وسیاست الغرض انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر عمل میں یکتا وبے مثال ہیں۔ مٹھی بھر جاں نثاروں کو عزم وہمت کا کوہ گراں اور شجاعت واستقامت کی فولادی قوت کس طرح بنایا جاتا ہے اس کا ثبوت ہمیں غزوہ بدر سے پہلے کے لمحات میں ملے گا۔ سپہ سالار کی جنگی حکمت عملی کی خلاف ورزی سے شکست ہو جائے تو فاتح فوج کے موریل کو کس طرح پست کیا جاتا ہے اور شکست خوردہ فوج کو فاتح دشمن سے مرعوب ہونے کی بجائے حوصلہ مندی کا درس دیا جاتا ہے۔ اس کا اظہار جنگ احد کے بعد لہولہان اور زخمی ساتھیوں کو ساتھ لے کر ابو سفیان کو مرعوب کرکے بھگانے اور پیچھے مڑنے کے تمام راستے بند کرنے کے لئے حمراء الاسد میں لشکر اسلام کی للکار سے ہوتا ہے' صلح حدیبیہ اسلام کے لئے یقیناً فتح مبین تھی' کفار مکہ کی طرف سے مطمئن ہو کر یہود اور سرکش وبدعہد قبائل عرب کی سرکوبی اور شاہان عالم کو خطوط کے ذریعہ رحمتہ اللعالمین کی دعوت عامہ کا موقع ملا مگر اس وقت یہ مناظر وحقائق صرف ایک آنکھ دیکھ رہی تھی اور یہ تھی محمد رسول اللہؐ کی آنکھ تو یہ سب نبوتؐ کے قائدانہ معجزے ہیں!

مندرجہ بالا اجمالی اشارات کے بعد ہم غزوہ حنین کو لیتے ہیں' جہاں محمد رسول اللہؐ کی سپہ سالارانہ دور اندیشی اور شجاعت واستقامت کا پیغمبرانہ اعجاز بھی بڑی وضاحت سے ثابت ہوتا ہے اور آپ کا بلاغی اعجاز بھی پوری طرح جلوہ فگن نظر آتا ہے۔ بارہ ہزار کا لشکر تھا جو بدر و احد اور خندق کے مٹھی بھر جاں نثاروں کے مقابلہ میں بہت بڑا لشکر تھا' مگر سالار اسلامؐ کی دور اندیشی

ملاحظہ ہو کہ مکہ مکرمہ سے روانگی سے قبل تیاری میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہیں رکھی جارہی ' اسلحہ بھی اکٹھا کیا گیا اور سرمایہ بھی ادھار لیا گیا مگر یہ کثرت بعض سپاہیان اسلام کو عجب و تکبر سے دوچار کر گئی۔ چنانچہ دشمن فوج کے سپہ سالار مالک بن عوف کی جنگی حکمت عملی سے بارہ ہزار کے قدم اکھڑ گئے ' صبح منہ اندھیرے چاروں طرف کی پہاڑیوں سے لشکر پر تیروں کی بارش ہو گئی' سب بھاگ کھڑے ہوئے' یہ دیکھ کر ابو سفیان تمسخرا و استہزاء کے انداز میں کہہ رہا تھا! یہ شکست خوردہ سرپٹ دوڑتے ہوئے لوگ اب سمندر سے پہلے نہیں رکیں گے! اور شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کہہ رہا تھا! آج مجھے بھی محمدؐ سے اپنا انتقام لے کر جگر کو ٹھنڈا کرنے کا موقع مل رہا ہے (۴۱)۔

یہ ایک بڑا ہی نازک موقع تھا' حدیبیہ سے فتح مکہ تک اسلام اور اہل اسلام کا جو رعب اور ہیبت دلوں کو مسخر کر چکی تھی وہ خطرہ کی زد میں تھی۔ بیس سالہ جہاد اسلامی کی تاریخ داغدار ہونے کو تھی' بارہ ہزار کا لشکر جرار راہ فرار اختیار کر رہا تھا' لیکن نہیں ! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک مافوق البشر نبی مرسل اور بے مثال سالار کی نظر تھی ' دشمن کا لشکر تیروں کی بارش کر کے اپنا وار کر چکا تھا اور نیچے اتر رہا تھا اور فتح کے گھمنڈ میں بھاگنے والوں کے مکرر حملہ سے بے خبر تھا' ایسے میں اللہ کا رسول برحقؐ ڈٹ جاتا ہے ۔ آس پاس سے بھاگتی فوج کے سامنے اپنے قدم زمین میں گاڑ دیتا ہے۔ دشمن کی بپھری ہوئی فوج کے طوفان بلاخیز کے سامنے بند باندھ دیتا ہے۔ صدائے نبوتؐ گونجتی ہے (۴۲) لوگو ! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہاں جاتے ہو؟ ٹھہرو ادھر دیکھو انا لنبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب پھر عباس بن عبدالمطلب کی بلند آواز فضاؤں کو چیرتی ہے' اے معشر انصار! اے معشر مہاجرین! اے بیعت رضوان سے مشرف ہونے والو ' ادھر آؤ محمد رسول اللہؐ زندہ وسلامت ہیں اور دشمن کے سیل بلاخیز کو روک چکے ہیں! تاریخ کہتی ہے کہ بھاگتی ہوئی فوج پلٹی ' جھپٹی اور دشمن خوف وحیرت میں پیچھے کی طرف بھاگا اس کی فتح شکست میں بدل گئی' ہارے ہوئے جیت گئے بائیس ہزار اونٹ ' چالیس ہزار بکریاں 'چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار جنگی قیدی مال غنیمت ہاتھ لگا!

اب تو مسلموں کی بھیڑ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑنے کو تھی' محمد رسول اللہؐ کی نگاہ دور بین نے حالات کو بھانپ لیا تھا' ایک اونٹ کی کہان سے بال لیا اور مال غنیمت پر منڈلانے والوں سے مخاطب ہوئے(۴۳)!

" ایہاالناس ! واللہ مالی فی ھذہ الغنائم ولا فی ھذہ الوبرۃ الا الخمس والخمس مردود علیکم ' ردواعلی ردائی ' ایہا الناس! فواللہ لو ان لکم بعدد شجر تہامۃ ابلا" لقمتہ علیکم ثم ما الفیتمونی بخیلا و لا جبانا ولا کذابا"

لوگو ! اللہ کی قسم ہے اس مال غنیمت اور اونٹوں کی ' اس اون میں میرے لئے صرف خمس ہے اور یہ خمس بھی تم ہی کو واپس مل جائے گا' میری چادر مجھے لوٹا دو بخدا اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی مال غنیمت کے اونٹ ہوتے تو تم میں بانٹ دیتا 'تم مجھے بخیل 'بزدل یا جھوٹا نہ پاتے !

اس تقریر کے بعد آپ قریش کے مولفتہ القلوب کو مال غنیمت سے خوش کر رہے تھے' ادھر انصار مدینہ کو حصہ نہ ملنے سے احساس محرومی و بے چینی کی کیفیت پیدا ہوتی دکھائی دے رہی تھی' وہ سمجھ رہے تھے کہ مکہ فتح ہو گیا' رسول اللہؐ اب شاید اپنی قوم کے پاس رک جائیں ' شاید اسی لئے مال غنیمت انہی کو دیا جارہا ہے'اس صورت حال کو نبوی بلاغت کا اعجاز سنبھالتا ہے اور حالات کا رخ بدل جاتاہے ' ارشاد ہوتا ہے(۴۴)!

" یا معشر الانصار! ماھذا الذی سمعتہ عنکم الم انکم ضالین فہداکم اللہ وعالتہ فاغنا کم اللہ واعدا ء فالف اللہ بین قلو بکم قالو! بلی یارسول اللہ ! قال :اما واللہ لوشئتم لقلتم فلصد قتم ولصدقتم اتیتنا مکذبا فصد قناک ومخذولا فنصرناک ! وطریدا فاوبناک وعائلا فاسیناک ! استکثرتم یا معشر الانصار لعاجلتہ من الد نیا! تالفت بہاقوما لیسلموا ووکلتکم الی اسلامکم !! الا ترضون یامعشر الانصار ! ان یذ ھب الناس بالشاء والبعیر وترجعوا برسول اللہ فی رحالکم ؟ فوالذی نفس محمد بیدہ لولا الہجرۃ لکنت واحد امن الا نصار! ولو سلک الناس شعبا وسلکت الانصار شیعبا" لسلکت شعب الانصار اللہم ارحم الانصار وابناء الانصار وابناء ابناء الانصار!" " اے گروہ انصار! یہ کیاہے جو میں نے تمہارے بارے میں سنا ہے ؟ کیا میں تمہارے پاس ایسے حال میں نہیں آیا تھا جبکہ تم گمراہ تھے تو اللہ تعالی نے تمہیں ہدایت دی' تم محتاج تھے' اللہ تعالی نے تمہیں دولتمند بنادیا' تم ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اللہ تعالی نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا

سب نے کہا! ہاں یا رسول اللہ ! ۔ بخدا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اگر چاہو تو'اور تم سچے ہو گے اور تمہاری تصدیق کی جائے گی کہ آپ جب ہمارے پاس آئے تو آپ جھٹلائے ہوئے تھے مگر ہم نے آپ کی تصدیق کی' آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا مگر ہم آپ کے مدد گار بن گئے' آپ کو بے

سہارا بنا دیا گیا تھا لیکن ہم نے آپ کو پناہ دی' آپ محتاج تھے مگر ہم نے آپ سے ہمدردی کی۔ اے گروہ انصار! تم نے جلد ملنے والی دنیا کو بہت کچھ سمجھ لیا' میں نے اس دولت دنیا سے لوگوں کی تالیف قلب کی ہے تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں' تمہیں میں نے تمہارے دین اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔ اے گروہ انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ لوگ تو اپنے ساتھ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں مگر تم لوٹو تو رسول اللہؐ تمہارے ساتھ ہوں' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی ایک انصاری ہوتا۔ اگر انصار ایک گھاٹی میں سے گذرتے اور باقی سب لوگ دوسری گھاٹی میں سے گذرتے تو میں اس گھاٹی سے گذرتا جس سے انصار گذرتے ہیں۔

اے اللہ انصار پر' ان کے بیٹوں پر اور ان کی بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما!"

یہ الفاظ بجلی بن کر چمکے' رحمت بن کر برسے اور معجزہ بن کر چھا گئے۔ یہ تھی ایک مثال حدیث نبویؐ کے بلاغی اعجاز کی' یہ الفاظ جو انسانوں پر سحر حلال بن کر چھا گئے اور ان کی روش بدل کر رہ گئی' ان کی زندگی کا رخ بدل گیا' کلمات نبوتؐ اپنے اندر تین بلاغی اوصاف رکھتے ہیں جو کلام بلیغ کو فن کی بلندی پر تسلیم کرنے کا معیار ہیں۔ فصاحت وبلاغت کی اس بلندی کے بعد اور کوئی مقام بلند ہے ہی نہیں' اس کلام نبویؐ کا پہلا وصف خلوص ہے' یعنی یہ ان تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے جو عیوب ونقائص بلاغت شمار ہوتے ہیں دوسرا وصف بلاغی یہاں قصد وتوازن ہے جو لفظ ومعنی کے تناسب واعتدال میں نظر آتا ہے۔ ان معانی کے لئے کوئی اور الفاظ لانے کی حاجت نہیں اور اگر ان الفاظ میں سے آپ کچھ نکال دیں اور ان کی جگہ اور الفاظ لے آئیں تو وہ لفظ ومعنی کا قصد وتوازن غائب ہو جائے گا جو یہاں کلام نبویؐ کا طرہ امتیاز ہے' لیکن اس کلام نبویؐ کا تیسرا وصف بلاغی اسے فن کی اعلی ترین بلندیوں پر پہنچاتا ہے جو" استغناء" کہلاتا ہے یعنی کلام کا تمام اوصاف بلاغت سے پوری طرح متصف ہونا۔

کلام نبوتؐ کا وہ وصف جس نے جاحظ جیسے امام الادب والنقد کو اپنا فریفتہ او رگرویدہ بنایا وہ ان کلمات سے عبارت ہے جن کے حروف کی تعداد کم مگر معانی کی مقدار کثیر ہے۔ اسی طرح نئی تراکیب' تعبیرات اور محاورات کا ایک سلسلہ ہے جس کا آپ سے پہلے عربی زبان میں وجود ہی نہ تھا' آسان اور عام فہم الفاظ ہیں مگر معانی کی ایک دنیا ہے جو جوامع الکلم میں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی

نظر آتی ہے ' مثلاً" یوم بدر کے متعلق فرمایا کہ "هذا یوم له مابعده" (یہ ایک ایسا دن ہے جس کے بعد اس کے نتائج کا ایک سلسلہ ہوگا) حق غالب آیا تو تاریخ کا دھارا بدل گیا اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت ہوتی تو آج دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی ' اسی طرح برپا ہونے والے فتنوں کے متعلق آپ کے ایک منقول ارشاد میں صلح کے بارے میں ایک محاورہ استعمال ہوا ہے "هدنته علی دخن هدنه" جنگ بندی یا عارضی صلح کو کہتے ہیں جسے انگریزی میں ٹروس کہتے ہیں ' دخن کھانے کی اس بگڑی ہوئی کیفیت کا نام ہے جو اس پر دھوئیں کے اثر انداز ہونے سے پیدا ہوتی ہے ' یہ دونوں لفظ حضورؐ سے قبل عربی میں مستعمل تھے مگر ان دونوں لفظوں کو ملا کر یہ محاورہ زبان وادب کی تاریخ میں پہلی بار صرف حضورؐ نے بولا اور پھر ضرب المثل بن گیا(۴۵)۔

تشبیہ و تمثیل بات کو موثر طور پر دل نشین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے تمام انبیائے کرام کے وعظ وکلام کی یہ نمایاں خصوصیت رہی ہے ' رسول اکرمؐ کو تشبیہ و تمثیل پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے(۴۶) ' حدیث نبویؐ کا ذخیرہ ایسی سینکڑوں مثالوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے ' تمثیل کی ایک بلیغ مثال آپ کا وہ ارشاد ہے جو معاشرہ کے تحفظ واصلاح کے متعلق ایک موثر درس عبرت پیش کرتا ہے اور جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوئے ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھ گیا' ان میں سے ایک نے اپنی جگہ کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیا اور کہا کہ یہ تو میری اپنی جگہ ہے یہاں میں جو چاہوں کروں ' اب اگر وہ اسے پکڑتے ہیں تو سب کی نجات ہے ورنہ سب غرق ہوں گے(۴۷)

سب سے آخر میں ایک اہم نقطہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ قرآن کریم کے بلاغی اعجاز اور حدیث نبویؐ کے بلاغی اعجاز میں کچھ فرق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے ؟ یہ حقیقت تو واضح ہے کہ اعجاز القرآن اور اعجاز الحدیث میں یقیناً فرق ہے اور ہونا بھی چاہئے مگر اس باریک فرق کو سمجھنا اور سمجھانا ایک اہم اور مشکل مسئلہ ہے 'اس فرق کو ہم دومثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ پہلی مثال اس طرح ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالی قادر مطلق کا کلام ازلی ہے اور کسی وقت کہیں بھی کسی انسان کے بس میں یہ نہیں کہ اس کا جواب لا سکے مگر کلام نبویؐ میں بعض فصحائے عرب کسی ایک بات میں کسی نہ کسی طرح تو شریک ہو سکتے ہیں مگر نہ تو فصیح وبلیغ عرب ایسا کر سکتا ہے اور نہ کوئی بلاغت کے ہر پہلو میں حضورؐ کا ہم پلہ ہو سکتا ہے 'گویا

مشارکت جزوی ممکن ہے مگر مساوات مطلق ناممکن ہے کیونکہ منصب نبوتؐ پر فائز ہونے کے بعد اور وحی ربانی کے نزول کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان اور باکمال شخصیت ہر بشری نقص و عیب پر غالب آچکی ہے حتی کہ شیطان پر بھی، اس لئے نہ صرف یہ کہ کوئی لغزش کوئی نقص یا کوئی عیب اب آپ کی ذات میں ناممکن ہے بلکہ آپ کا تو ہر قول بھی وما ینطق عن الھوی کے تابع ہے جبکہ دیگر فصحاء و بلغاء یہ دعوی نہیں کر سکتے' ان کا یہ نصیب ہی نہیں، اب تو کوئی نبی بھی نہیں بن سکتا صرف متنبی ممفتری اور کذاب ہو سکتا ہے (۴۸)۔

دوسری مثال یہ ہے کلام اللہ کی حفاظت کا انسانی اور ربانی دونوں طرح کا انتظام موجودہ ہے بلکہ ضمانت دائی وکامل موجود ہے، جبکہ کلام نبویؐ کی حفاظت کا ایسا انتظام موجودہ نہیں رہا اور نہ اس کی کسی نوع کی ضمانت دی گئی ہے مگر بایں ہمہ امت اسلامیہ نے اپنے نبیؐ کے ارشادات کی حفاظت وتدوین کے لئے ایک شاندار اور قابل فخر کارنامہ انجام دیا ہے اس لئے جہاں بھی قولی حدیث نبویؐ صحت کے ساتھ ثابت و مسلم پائی جائے گی اس میں بلاغی اعجاز کا پایا جانا ممکن ہو گا، مگر یہ حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز کسی طرح بھی اعجاز القرآن کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا (۴۹)۔

تلخیص بحث کے طور پر ہم یہ کہیں گے کہ!

۱۔ نبی و رسولؐ کا اپنے منصب پر فائز ہونا اور وحی ربانی سے نوازا جانا بجائے خود ایک معجزہ ہوتا ہے۔

۲۔ اس منصب کے لئے انتخاب واصطفاء اللہ رب العزت کی مشیت کا کام ہے اس لئے اس کے چنے ہوئے میں کوئی نقص یا عیب یا کوتاہی ہونا شان الوہیت کے منافی ہے۔

۳۔ نبی کا ہر قدم مشیت الہی سے ہی اٹھتا ہے اور اس کی ہر بات اس کے فرمان کے تابع ہوتی ہے۔

۴۔ حدیث نبویؐ کی قولی قسم جو صحت کے ساتھ ثابت ہو اس میں اعجاز بلاغی کا ہونا قدرتی بات ہے۔ تقاضائے وقت کے مطابق خاتم الانبیاءؐ کا زندہ جاوید معجزہ چونکہ بلاغت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے آپ کی زبان معجزہ بیان سے نکلنے والے ارشادات بھی بلاغی اعجاز کا شاہکار ہوتے ہیں۔

۵۔ اعجاز القرآن اور حدیث نبوی کے بلاغی اعجاز میں فرق ہے۔

حواشی و مصادر

۱ = علوم الحدیث للدکتور صبحی الصالح ص ۱۲-۱۳، ادب الحدیث النبوی للاستاذ بکری شیخ امین ص ۴۰، السیرۃ الحلبیۃ للاستاذ عبدالعزیز ص ۱۶-۱۳

۲ = علوم الحدیث ص ۳۰، ادب الحدیث النبوی ص ۳۸

۳ = سورہ البقرہ آیت ۱۸۱

۴ = جواہر الاصول ص ۵۳

۵ = سورہ الاعلیٰ آیت ۶ - ۷

۶ = سورہ عنکبوت آیت ۴۹

۷ = الاتقان للسیوطی ۱/۱۱۵، تاریخ الادب العربی للزیات ص ۴۲

۸ = سورہ الحجر آیت ۹

۹ = جواہر الاصول ص ۱۴۲

۱۰ = البیان والتبیین للجاحظ ۱/ ۱۱۳

۱۱ = ایضاً ۱/ ۱۰۶

۱۲ = ایضاً ۱/ ۱۰۴

۱۳ = ایضاً ۱/ ۱۱۵

۱۴ = لسان العرب زیر مادہ ع ج ز

۱۵ = شرح المواقف للجرجانی ۳/ ۵۱۵

۱۶ = سیرۃ النبی ۳/ ۱۱۵

۱۷ = سورہ النجم آیت ۳ - ۴

۱۸ = احیاء علوم الدین للغزالی ۲/ ۳۷۴، فصاحت نبوی ص ۱۹۳

۱۹ = بلوغ الارب للسید محمود شکری الآلوسی ۲/ ۵۲

۲۰ = اعجاز القرآن لمصطفیٰ صادق الرافعی ص ۳۲۰

۲۱ = شرح بردہ البوصیری ص ۷۳

۲۲ = السیرۃ الحلبیۃ ۱/ ۱۱۵، اعجاز القرآن للرافعی ۳۲۰- ۳۲۱ الزیات ص ۷۳

۲۳ = الشفاء للقاضی عیاض ۲/ ۷۸، فصاحت نبوی ۳۰۰

۲۴ = البیان والتبیین ۲/ ۱۶-۱۸

۲۵ = فصاحت نبوی ص ۲۰۱ الشفاء ۲/ ۱۷۸

۲۶ = اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۳۲

۲۸ = البیان والتبیین ۲/ ۱۸

۲۹ = الکامل للمبرد طبع دمشق ۱/ ۱۵

۳۰ = البیان والتبیین ۲/ ۱۶- ۱۸، اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۳۴

۳۱ = ادب الحدیث النبوی ص ۱۱۱ - ۱۱۷

۳۲ = سورہ الزخرف آیت ۵۲

۳۳ = البیان والتبیین ۱/ ۱۳۲، مقدمہ دیوان حسان للبرقوقی ص

۳۴ = اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۳۰

۳۵ = سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۸

۳۶ = اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۳۵، البیان والتبیین ۱/ ۱۳۲

۳۷ = سورہ کہف آیت ۱۱۰

۳۸ = سورہ آل عمران آیت ۷۴

۳۹ = سورہ نساء آیت ۱۱۳

۴۰ = سورہ الشعراء آیت ۹۲

۴۱ = تاریخ طبری ۳/ ۲۳۴، روح المعانی ۱/ ۷۲

۴۲ = ابن ہشام ۲/ ۲۸۲

۴۳ = محمد للدکتور مصطفیٰ محمود ص ۵۲

۴۴ = جمہرۃ خطب العرب للاستاذ ذکی صفوت ۱/ ۱۷۵

۴۵ = البیان والتبیین ۲/ ۱۶

۴۶ = تاریخ الادب العربی للزیات ص ۷۳

۴۷ = عظمۃ الرسولؐ للاستاذ محمد عطیۃ الابراشی ص ۲۷۷

۴۸ = ادب الحدیث النبوی ص ۱۷۲، فصاحت نبوی ص ۲۱۶

۴۹ = ایضاً

مولانا سید جلال الدین العمری

اسلام میں غذا کا استعمال اور اصول صحت کی پاسداری

(اسوۂ حسنہ کی روشنی میں)

جسم کے لیے غذا کی جتنی اہمیت ہے اتنی ہی اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ اصول صحت کے مطابق ہو اس کے بغیر یہی نہیں کہ غذا سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا بلکہ بسا اوقات وہ صحت کے لیے مضر اور نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔ غذا سے متعلق اسلام کی تعلیمات میں اصول صحت کی پوری رعایت موجود ہے۔ ان پر عمل سے صحت پر خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں اور آدمی امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہاں پہلے بعض عمومی ہدایات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ شریعت نے کھانے کا کیا طریقہ بتایا ہے اور اس سلسلہ میں کن آداب کو ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ شریعت نے جن باتوں کی رعایت کی تعلیم دی ہے ان کا ہماری صحت سے کتنا گہرا تعلق ہے؟

میٹھے پانی کا اہتمام

صحت کے لیے صاف اور میٹھے پانی کی بنیادی اہمیت ہے۔ گندے اور ناپاک پانی سے بہت سی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ صاف اور شیریں پانی استعمال ہو تو آدمی ان بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور اس کی صحت برقرار رہ سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے اس کا اہتمام ثابت ہے۔

حضرت ابو طلحہؓ کا کھجور کا ایک باغ بیرحاء نام کا تھا۔ یہ مسجد نبویؐ کے سامنے واقع تھا۔ اس کا پانی صاف اور میٹھا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے تھے [۱]

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے لیے میٹھے پانی کا خاص اہتمام بھی ہوتا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہونچ کر آپ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مہمان ہوئے۔ وہ آپ کے لیے حضرت انسؓ کے والد مالک بن نضر

---

[۱] بخاری، کتاب الاشربہ، باب استعذاب الماء

کے کنویں سے میٹھے پانی کا انتظام کرتے تھے۔[1]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بیوت سقیاء سے آپ کے لیے پانی لایا جاتا تھا۔ مدینہ سے اس کا کافی فاصلہ تھا۔ امام ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ دو دن کا فاصلہ تھا۔[2]

رباح الاسود جو آپؐ کے غلام تھے وہ ایک مرتبہ آپ کے لیے بئر غرس سے پانی لاتے تو دوسری بار بیوت سقیاء سے فراہم کرتے۔

حضرات انسؓ، ہندؓ اور حارثہؓ جو حضرت اسماءؓ کی اولاد ہیں ازواج مطہرات کے گھروں میں بیوت سقیاء سے پانی پہونچاتے تھے۔[3]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھوک محسوس کی۔ آپ ایک انصاری (حضرت ابوالہیثمؓ) کے گھر کی طرف چلے تو دونوں بزرگ بھی ساتھ ہو گئے۔ جب گھر پہونچے تو ان کی اہلیہ نے خوش آمدید کہا اور بتایا ذھب یستعذب الماء کہ وہ میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ اتنے میں ابوالہیثمؓ بھی پہونچ گئے اور آپ حضرات کی ضیافت کی۔[4]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے اور گھر والوں کے لیے میٹھے پانی کا اہتمام فرماتے تھے۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ میٹھے پانی کا اہتمام زہد کے منافی نہیں ہے۔ یہ تعیش بھی نہیں ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔ میٹھا پانی پینا اور اسے منگوانا مباح ہے۔ صلحاء کا اس پر عمل رہا ہے۔ کھاری پانی کے استعمال میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔[5]

اہتمام تقویٰ اور دین داری کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح ہو چکا تھا۔ میں بہت دبلی پتلی تھی۔ میری والدہ چاہتی تھیں کہ میں تندرست اور موٹی ہو جاؤں تاکہ رخصتی ہو سکے۔ اس کے لیے وہ بطور علاج بہت سی چیزیں کھلایا کرتی تھیں لیکن ان کی طرف میری بالکل رغبت نہیں ہوتی تھی۔ پھر انہوں نے مجھے کھجور اور ککڑی کا استعمال کرایا تو میں خوب موٹی ہو گئی۔[6]

اچھی اور عمدہ غذاؤں کا جواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دین کی خاطر فقر و فاقہ بھی کیا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اچھا کھلایا تو اچھا کھایا بھی ہے۔ حضرت

---

[1] فتح الباری: ۱۰/۷۴۔ [2] ابوداؤد، کتاب الاشربہ، باب فی ایکاء الآنیۃ۔

[3] فتح الباری: ۱۰/۷۴۔ [4] اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ مسلم، کتاب الاشربہ، باب جواز استتباعہ غیرہ الی دار من یثق برضاہ [5] فتح الباری: ۱۰/۷۴، ۷۵۔

[6] ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی السمنۃ۔ ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب القثاء والرطب یجمعان۔

عائشہؓ فرماتی ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب الحلواء والعسل[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلوا اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

امام نووی علماء کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ حلوہ سے مراد کوئی خاص قسم کا حلوہ نہیں ہے بلکہ (میٹھی چیز ہے۔ شہد کا الگ سے ذکر اس کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث میں ہر طرح کی لذیذ غذائیں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کا جواز موجود ہے۔ یہ چیز زہد و مراقبہ (توجہ الی اللہ) کے منافی نہیں ہے، خاص طور پر اگر وہ اتفاق سے مل جائے[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انسؓ ایک پیالہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں

لقد سقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقدحی ھذا الشراب کلہ العسل والنبیذ والماء[3]	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس پیالہ سے شہد، نبیذ، پانی اور دودھ سب ہی مشروبات پلائے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اور اس طرح کی بعض دوسری عمدہ غذائیں استعمال فرمائی ہیں۔ ان سے عمدہ غذاؤں کا جواز نکلتا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں

علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کھانے پینے میں تنوع اور وسعت اختیار کرنا جائز ہے۔ سلف میں سے بعض نے اس کے خلاف رائے دی ہے لیکن اسے اس بات پر محمول کرنا چاہیئے کہ کسی دینی مصلحت کے بغیر خوب کھانے پینے اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کا عادی ہو جانا مکروہ ہے[4]

ابوالحسن علی بن المفضل المقدسی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کہیں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے کسی کھانے سے محض اس لیے اجتناب کیا ہو کہ وہ عمدہ اور نفیس ہے بلکہ آپ حلوہ، شہد

---

[1] بخاری، کتاب الاطعمہ، باب الحلواء والعسل، مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امرأتہ ولم ینو الطلاق۔

[2] نووی: شرح مسلم ج ۴ جز ۱۰ ص ۷۷

[3] مسلم، کتاب الاشربہ، باب اباحۃ النبیذ۔ نسائی کی روایت میں حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضرت ام سلیم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا اس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ میں نے اس پیالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی، شہد، دودھ اور نبیذ ہر طرح کا مشروب پلایا ہے (کتاب الاشربہ، باب ذکر الاشربۃ المباحۃ۔

[4] نووی شرح مسلم ج ۵ جز ۱۳ ص ۲۲۷

ککڑی اور کھجور (جیسی لذیذ چیزیں بھی) کھاتے رہے ہیں ۔ البتہ آپ اس میں تکلف کو ناپسند فرماتے تھے کیونکہ اس سے آدمی آخرت کے اعلیٰ مقاصد سے ہٹ کر دنیا کی خواہشات میں لگ جاتا ہے ۔ علامہ قرطبی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اللہ نے چاہا تو اس مسئلہ میں یہ صحیح نقطہ نظر ہے۔[1]

امام ابن قیمؒ کھانے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بیان کرتے ہیں کہ جو موجود ہوتا اسے رد نہیں فرماتے اور جو موجود نہ ہوتا بہ تکلف اسے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ پاک اور حلال چیزوں میں سے جو چیز بھی پیش کی جاتی تناول فرماتے الا یہ کہ طبیعت اسے قبول نہ کرے اور کراہت محسوس ہو۔ لیکن اسے حرام اور ممنوع نہیں قرار دیتے ۔ کبھی کسی کھانے میں عیب نہ نکالتے ۔ جی چاہا کھا لیا اور جی نہ چاہا چھوڑ دیا۔

جو غذائیں آپ نے استعمال فرمائیں ان کے متعلق فرماتے ہیں ۔حلوہ اور شہد استعمال فرمایا انہیں آپ پسند فرماتے تھے ۔اونٹ ،بھیڑ، بکری ،مرغی اور حباری (مرغابی جیسا ایک پرندہ) کا گوشت ، اسی طرح جنگلی گدھے اور خرگوش کا گوشت تناول فرمایا۔ مچھلی کھائی ۔ علامہ ابن قیمؒ مزید فرماتے ہیں کہ آپ نے حسب ذیل غذائی اشیاء استعمال فرمائیں ۔ کھجور اور چھوہارے ،خالص اور پانی ملا ہوا دودھ، (شہد پانی کے ساتھ) شہد ،نبیذ ،خزیرہ جو دودھ اور آٹے سے بنتا ہے ۔ ککڑی کھجور کے ساتھ ،پنیر، روٹی سے کھجور ، سرکے سے روٹی ، ثرید ،جو گوشت اور روٹی سے تیار ہوتا ہے ۔ چربی گرم کرکے اس سے روٹی ، کلیجی بھنی ہوئی ،گوشت کے پارچے (پسندے) پکی ہوئی لوکی (کدو) اسے پسند فرماتے تھے ،ہڈی والا گوشت ،ثرید گھی کے ساتھ ، دہی ، ککڑی کھجور کے ساتھ ،کھجور مکھن سے ، اسے پسند فرماتے ہیں آپ کا اسوہ یہ تھا کہ جو میسر آتا تناول فرماتے ۔ میسر نہ ہوتا تو صبر فرماتے ۔ آپ نے بھوک سے پیٹ پر پتھر بھی باندھے ہیں ۔ کبھی مہینہ پر مہینہ گزر جاتا آپ کے گھر کا چولہا نہ جلتا۔[2]

---

[1] قرطبی: الجامع لاحکام القرآن ج ۴ جزء ۷ ص ۱۲۷ ۔

[2] ابن قیم: زاد المعاد ۲/۱۱۸ ۔ امام ابن قیمؒ نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان پر اضافہ بھی ہو سکتا ہے ۔ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کا جو ذکر کیا ہے اس سلسلہ کی بعض روایات یہاں پیش کی جا رہی ہیں ۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے ما شبع ال محمد من طعام ثلاثة ایام حتی قبض ۔ بخاری ،کتاب الاطعمۃ ،باب قول اللہ کلوا من طیبات ما رزقناکم ، مسلم کتاب الزہد والرقاق ۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے تین دن مسلسل سیر ہو کر نہیں کھایا ۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ۔ ما شبع ال محمد منذ قدم

اسلام جسم کے نقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتا کہ اس سے رہبانیت اور دنیا سے بے تعلقی کا رجحان پیدا ہوتا ہے وہ تعیش اور تنعم کا بھی مخالف ہے۔ اس لیے کہ تعیش پسند آدمی کسی مقصد کے لیے معمولی سی تکلیف برداشت کرنے کا بھی حوصلہ کھو بیٹھتا ہے۔ اسلام جو اعلیٰ مقاصد سامنے رکھتا ہے اس کے ساتھ تعیش کی زندگی میل نہیں کھاتی۔ وہ اس بات کو صحیح نہیں سمجھتا کہ آدمی تکلفات کا اس قدر عادی ہو جائے کہ مشکلات حیات کو برداشت نہ کر سکے اور دشواریوں میں اس کے قدم لڑکھڑانے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اسی حقیقت کی شہادت دیتی ہے۔ آپ کو حلوہ اور شہد مرغوب تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمدہ غذائیں اللہ کی نعمت ہیں ان کا استعمال نہ تو تقویٰ کے منافی ہے اور نہ مادیت پرستی ہے لیکن اس کے ساتھ جیسا کہ علامہ خطابی اور ابن تین نے کہا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کے اندر اس کی غیر معمولی خواہش اور طلب پائی جاتی تھی یا اس کی تیاری میں اہلِ تعیش و تنعم کی طرح اہتمام ہوتا تھا بلکہ جب آپ کے سامنے میٹھی چیز پیش کی جاتی تو آپ اسے رغبت کے ساتھ مناسب مقدار میں تناول فرماتے جس سے معلوم ہوتا کہ آپ اسے پسند فرما رہے ہیں[1]

المدینة من طعام برٍّ ثلاث لیال تباع حتی قبض بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی و اصحابہ الخ مسلم کتاب الزہد والرقاق۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد سے وفات تک تین دن مسلسل گیہوں نہیں کھایا) ایک روایت میں ہے (فرماتی ہیں کان یأتی علینا الشھر ما نوقد فیہ نارا انما ھو التمر والماء، الا ان نؤتیٰ باللحیم بخاری حوالہ سابق (ہم پر ایک ایک مہینہ گزر جاتا کہ ہم چولہا نہیں جلاتے تھے۔ بس کھجور اور پانی پر بسر ہوتی تھی۔ اِلّا یہ کہ کہیں سے کچھ گوشت آ جاتا۔)

حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا، ہم لوگ (کبھی) ایک ہلال کے بعد دوسرا اور تیسرا ہلال دیکھتے (مسلسل دو ماہ گزر جاتے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے کہا اے خالہ جان! آپ بزرگوں کی غذا کیا ہوتی تھی؟ فرمایا کھجور اور پانی (البتہ بعض انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے ان کو دودھ والے جانور ملے ہوئے تھے وہ دودھ بھیج دیا کرتے تھے۔ یہ آپ ہمیں پلاتے۔ (بخاری و مسلم، حوالہ سابق) آپ نے جو زحمتیں برداشت کیں ان کی وجہ ابتدائی دور میں عسرت و تنگی اور غذائی قلت بھی ہو سکتی ہے اور فتوحات کے بعد ایثار و ترجیح اور غریبوں اور ناداروں کے ساتھ ہمدردی بھی۔ یہ ساری تفصیلات بتاتی ہیں کہ آپ نے مختلف اوقات میں اچھی غذائیں استعمال فرمائیں، کسی عمدہ غذا سے احتراز نہیں فرمایا لیکن ساتھ ہی دین کی خاطر آخر وقت تک سخت سے سخت تکلیفیں بھی اٹھائیں۔ دنیا کی لذتوں اور راحتوں کو کبھی اس راہ میں حائل ہوتے نہیں دیا۔

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۹/۵۵۷ یہی بات حافظ ابن حجر نے دوسری جگہ ابو سلیمان دارانی کے حوالہ سے بھی کہی ہے۔ ۸/۱۸۶

سادگی پسندیدہ ہے

اسلام ہر معاملہ میں سادگی چاہتا ہے۔ غذا کے بارے میں بھی اس کی یہی تعلیم ہے پر تکلف اور مرغن غذاؤں کا استعمال نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ سخت مضر اور نقصان دہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ کی غذا بہت سادہ تھی۔

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے لے کر وفات تک چھنے ہوئے آٹے کی سفید روٹی نہیں دیکھی۔ آپؐ نے چھلنی بھی نہیں دیکھی۔ حضرت سلمہؓ نے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگ آٹا چھانے بغیر استعمال کرتے تھے؟ حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ گیہوں پیسنے کے بعد اس میں پھونک مار کر بھوسی اڑا دیتے۔ اس سے جتنی بھوسی نکلنی ہوتی نکل جاتی۔ جو بچ جاتا اسے پانی میں بھگو دیتے (اسی کی روٹی پک جاتی)[1]

عرب میں چھلنی کا رواج نہیں تھا لیکن قریب کے علاقوں شام وغیرہ میں رواج تھا۔ آپ چاہتے تو اس کا استعمال ہو سکتا تھا لیکن آپ نے استعمال نہیں فرمایا۔ اس سے آپ کی سادگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ طبی نقطۂ نظر سے بھی مفید ہے۔ چھلنی کے ذریعہ بھوسی الگ ہوجاتی ہے اور نرم و ملائم آٹا باقی رہ جاتا ہے۔ اس کی روٹی کھانے میں لذیذ تو ہوتی ہے لیکن معدہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ بھوسی کے شامل ہونے کے بعد تجربہ بتاتا ہے اور طب اس کی تائید کرتی ہے کہ روٹی معدہ پر گراں نہیں ہوتی۔ اس سے ہضم میں مدد ملتی ہے اور قبض رفع ہوتا ہے۔ بھوسی کا استعمال بعض جلدی امراض میں بھی مفید ہے۔ اس میں بعض ایسے قیمتی وٹامن پائے جاتے ہیں جو صحت کے لیے بہت ضروری ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں بھوسی کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر آٹے میں متعین مقدار میں اسے ملانے کا مشورہ دیا جاتا ہے[2]

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انسؓ کی خدمت میں موجود تھے، ان کا نان بائی ان کے پاس تھا۔ انہوں نے ہم سے فرمایا۔

ما اکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبزا مرققا ولا شاۃ مسموطۃ حتی لقی اللہ[3]	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بڑی پتلی روٹی کھائی اور نہ بھنی ہوئی بکری۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے پاس آپ پہنچ گئے۔

---

[1] بخاری، کتاب الاطعمہ، باب النفخ فی الشعیر۔ نیز باب ماکان النبیؐ واصحابہ یاکلون۔

[2] بے چھنے آٹے یا بھوسی کی افادیت اپنی جگہ مسلم لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ چھلنی کا استعمال ناجائز نہیں ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں چھلنی کا مقصد غذا کو صاف کرنا ہے۔ یہ چیز جب تک تعیش اور تنعم کی حد کو نہ پہنچ جائے مباح ہے۔ احیاء العلوم ۲/۲۔

[3] بخاری، کتاب الاطعمہ، باب الخبز المرقق۔ بعض اور روایات میں اس کا پس منظر بیان ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کے لیے دستر خوان بچھتا، دو طرح کے کھانے چنے جاتے، نان بائی بے

اوپر کی حدیث میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے چھنا آٹا استعمال فرماتے تھے۔ چھنے ہوئے آٹے کی سفید روٹی آپ نے دیکھی تک نہیں۔ یہی بات اس حدیث میں اس طرح کہی گئی ہے کہ آپ نے "مرقق" یعنی پتلی روٹی جو بڑی بڑی پکائی جاتی تھی کبھی نہیں کھائی۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھنی ہوئی بکری کبھی استعمال نہیں کی۔ اس کے لیے "شاۃ مموطۃ" کا لفظ آیا ہے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ بکری کا چھوٹا سا بچہ ذبح کر کے کھولتے ہوئے پانی سے اس کے بال اور رواں نکال دیئے جاتے اور کھال کے ساتھ اسے بھون دیا جاتا۔ کبھی براہ راست آگ پر اور کبھی پتھر گرم کر کے اس پر بھونا جاتا۔ یہ خوش حال لوگوں کا طریقہ تھا۔ وہ آسانی سے چھوٹے جانور ذبح کر سکتے تھے لیکن کسی غریب اور نادار شخص کے لیے یہ تکلف مشکل تھا۔ وہ یہ سوچتا کہ بکری بڑی ہوگی تو کام آئے گی، بچے دے گی، اس کا دودھ استعمال کرے گا۔ بعد میں ذبح بھی کرے گا تو اس کا گوشت کھائے گا اور کھال استعمال کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معیار زندگی غریبوں سے قریب تر تھا۔ آپ نے اس طرح بھنا ہوا بکری کا بچہ استعمال نہیں فرمایا۔ اس سے ہٹ کر گوشت اہل عرب کی غذا کا ضروری جزو تھا۔ آپ کی غذا میں بھی شامل تھا۔ آپ نے گوشت کے مختلف اجزاء کھائے ہیں اچھا اور ملائم گوشت پسند فرمایا ہے اور بھنا ہوا گوشت بھی کھایا ہے۔ شانہ اور دست کا گوشت عمدہ اور نفیس ہوتا ہے، جلد تیار ہوتا اور جلد ہضم ہوتا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھنا ہوا بازو پیش کیا۔ آپ نے تناول فرمایا۔ اس کے بعد پہلے سے جو وضو تھا اس سے نماز پڑھی (الگ سے) وضو نہیں فرمایا۔[۱]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا اور دست پیش کیا گیا۔ آپؐ کو دست پسند تھا۔ دندان مبارک سے نوچ کر اسے کھایا۔[۲]

ہڈی کا گوشت بہت عمدہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ گوشت لگی ہوئی ہڈیوں میں بکری کی ہڈی جس پر گوشت ہو آپؐ کو زیادہ پسند تھی۔[۳]

لہ = عمدہ قسم کا سفید اور ملائم آٹا گھی میں گوندھ کر روٹی پکاتا، وہ احباب کو کھلاتے اور بتاتے کہ آج یہ خوش حالی میسر ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی سخت اور عسرت کی زندگی گزاری اور اسی حال میں اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ فتح الباری ۹/۱۳۵

[۱] ترمذی، کتاب الاطعمہ، باب ما جاء فی اکل الشواء۔ نسائی، کتاب الطہارہ، باب ترک الوضوء مما غیرت النار۔ کھانے کے بعد وضو ضروری ہے یا نہیں اس سے متعلق مزید روایتیں آگے آرہی ہیں، وہیں اس پر بحث بھی ہوگی۔ [۲] ترمذی، کتاب الاطعمہ، باب ما جاء فی ای اللحم کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۳] ابو داؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل اللحم۔

عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی رضؓ کہتے ہیں کہ ہم نے مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھنا ہوا گوشت کھایا۔ اتنے میں اقامت کہی گئی۔ ہم نے ہاتھ کنکریوں (ریت) پر رگڑ کر صاف کیے اور نماز پڑھی وضو نہیں کیا۔ [۱]

ان واقعات سے جو مختلف سیاق وسباق میں آئے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا۔ آپ نے گوشت روٹی کے ساتھ بھی کھایا اور کبھی کسی چیز کے بغیر صرف گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔

غذا ذوق اور مزاج کے مطابق ہو

غذا ایسی ہونی چاہیئے، جو صحت کے لیے مفید ہو۔ ایسی چیزوں کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیئے جو صحت اور تندرستی کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اسی طرح جو چیزیں اچھی لگیں اور جن کی خواہش اور طلب طبیعت میں پائی جائے وہی غذا میں شامل ہونی چاہئیں۔ غیر مرغوب اور ناپسندیدہ غذا کو طبیعت قبول نہیں کرتی، اور اس سے پورا فائدہ نہیں ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کھانا آتا تو اس کے بارے میں دریافت کرتے۔ اگر مزاج کے مناسب ہوتا تو استعمال کرتے ورنہ استعمال نہیں فرماتے تھے حضرت خالد بن ولیدؓ فرماتے ہیں۔

وکان قل مایقدم یدہ لطعام — آپؐ اپنا ہاتھ کسی کھانے کی طرف کم ہی بڑھاتے تھے جب

حتی یحدث بہ ویسمّٰی لہ — تک کہ اس کے بارے میں گفتگو نہ کی جائے اور بتانہ دیا جائے

چنانچہ ایک مرتبہ آپؐ کے سامنے بھنا ہوا گوشت آیا۔ جب بتایا گیا کہ یہ گوہ کا گوشت ہے تو آپؐ نے نہیں کھایا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا حرام نہیں ہے۔ ہمارے علاقہ میں نہیں ہوتا اس لیے کراہت ہو رہی ہے [۲]

حلال کو حرام نہ کر لیا جائے

ذوق اور مزاج کی اہمیت ہے۔ اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔ لیکن جو چیزیں حلال اور طیب ہیں ان سے خواہ مخواہ اجتناب صحیح نہیں۔ عملاً حلال کو حرام اور مباح کو ممنوع قرار دے لینا مزاج شریعت کے خلاف ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

ان من الطعام طعاما — کھانوں میں ایک کھانا ایسا ہے کہ اس کے کھانے

---

[۱] مسند احمد ۴/۱۹۰-۱۹۱

[۲] بخاری، کتاب الاطعمہ، باب ما کان النبیؐ لایاکل حتی یسمّٰی لہ فیعلم ماہو۔

اخرجہ منہ میں مجھے تکلف اور حرج محسوس ہوتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا۔

لا یتخلجن فی نفسک شیئ ضارعت منہ النصرانیۃ [1]

تمہارے دل میں ایسی کوئی چیز کھٹک اور تردد نہ پیدا کرے کہ اس کی وجہ سے تم نصرانیت سے مشابہت اختیار کرلو۔

جن غذاؤں کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرادیا ہے ان کے علاوہ سب ہی غذائیں حلال ہیں۔ ان کے جواز میں شک وتردد اور ان کے استعمال میں بلاوجہ تکلف اور تامل رہبانیت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس معاملہ میں شریعت کا اصول حضرت عبداللہ بن عباس اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

اہل جاہلیت بعض چیزیں بغیر کسی کراہت کے کھانے اور بعض چیزوں کا کھانا ان کو ناپسند تھا۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے نوازا، اپنی کتاب نازل کی، حلال کو حلال کیا اور حرام کو حرام ٹھہرایا۔ اس نے جس چیز کو حلال قرار دیا وہ حلال ہے اور جسے حرام کہا وہ حرام ہے اور جس چیز کا ذکر نہیں کیا اس نے اس سے درگذر کیا۔ (اس کے کھانے پر مواخذہ نہ ہوگا) [2]

غذائیں ایک دوسرے کی معاون ہوں

کھانے میں ایک سے زیادہ چیزیں ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا خیال فرماتے تھے کہ وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی معاون ہوں اور ان کا ایک ساتھ استعمال نقصان دہ نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ساتھ ککڑی کھاتے اور فرماتے کہ کھجور کی حدت کو ہم ککڑی کی ٹھنڈک سے توڑتے ہیں۔ [3]

اسی طرح روایت میں آتا ہے کہ آپ کھجور کے ساتھ مکھن استعمال فرماتے تھے۔ [4] یہ دونوں چیزیں بھی اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی معاون ہیں۔ کھجور کی خشکی مکھن سے دور ہوتی ہے۔

گندگی کھانے والے جانور نہ کھائے جائیں

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ غذا صاف ستھری اور گندگی اور آلائش کے اثرات سے بالکل پاک ہو۔ اس مقصد سے اس نے ان حلال جانوروں کا بھی گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو گندگی کھانے کے عادی ہیں۔ اس

---

[1] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب کراہیۃ التقذر للطعام۔ مسند احمد: ۲۲۶/۵

[2] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب ما لا یذکر تحریمہ

[3] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب الاقران فی التمر عند الاکل [4] حوالہ سابق

لیے کہ اس کے اثرات دودھ اور گوشت میں بھی منتقل ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل جلالۃ والبانھا[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندگی کھانے والے جانور کے کھانے اور اس کا دودھ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس سلسلہ کی بعض اور روایات بھی موجود ہیں۔ علامہ خطابی کہتے ہیں کہ گندگی کھانے والے جانوروں کے گوشت کھانے سے ممانعت کے پیچھے پاکی صفائی اور نظافت کا تصور ہے۔ اس لیے کہ گندگی جس جانور کی غذا ہو گی اس کے گوشت میں بھی بدبو پائی جائے گی۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ گندگی اس کی زیادہ تر غذا ہو۔ لیکن اگر گھاس اور دانہ کے ساتھ گندگی بھی کھائے تو اسے جلالہ (گندگی کھانے والا جانور) نہیں کہا جائے گا اس کی مثال مرغی جیسے حیوان کی ہے کہ بسا اوقات وہ گندگی کھا لیتی ہے لیکن یہ اس کی عام غذا نہیں ہے۔ اس لیے اس کا کھانا مکروہ نہیں ہے۔

فقہاء کے درمیان گندگی کھانے والے جانور کے گوشت اور دودھ کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، ان کے اصحاب، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسے جانور کا گوشت کھانا مکروہ ہے ان حضرات کے نزدیک اگر اسے کچھ دن گندگی کھانے نہ دیا جائے اور دوسرا چارہ دیا جاتا ہے اور اس کا گوشت خوش گوار ہو جائے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس طرح کی گائے کو چالیس دن تک الگ سے چارہ کھلایا جائے پھر اس کا گوشت کھایا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (اس طرح کی) مرغی کو تین دن تک گندگی کھانے سے بچائے رکھتے اس کے بعد ذبح کرتے۔

(بعض فقہاء کے ہاں اتنی شدت نہیں ہے) اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ ایسے جانور کا گوشت کھایا تو جا سکتا ہے البتہ اسے اچھی طرح دھو لینا چاہیے۔

حضرت حسن بصریؒ اس گوشت کے کھانے میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے۔ امام مالک کی بھی یہی رائے ہے[۲] اس مسئلہ میں پہلی رائے جمہور کی رائے ہے اور یہ اسلام کے مزاج سے قریب تر ہے۔

کھانے میں صفائی کا خیال رکھا جائے

کھانے میں صاف ستھری چیزیں استعمال کرنی چاہئیں گندی غذا بیماریوں کو جنم دیتی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے

---

[۱] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ۔ باب النہی عن اکل الجلالۃ والبانھا، ترمذی، ابواب الاطعمہ۔

[۲] خطابی، معالم السنن: ۴/۲۲۴، ۲۲۵

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ پرانی کھجوریں پیش کی گئیں، آپؐ نے (انہیں کھانے سے پہلے) باریک کیڑے ان میں سے ڈھونڈ کر نکالے۔ (اور صاف کیا) [۱]

عبداللہ بن ابی طلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کے سامنے پرانی کھجوریں لائی جاتیں، تو آپؐ ان میں جو کیڑے ہوتے تھے۔ انہیں خوب اچھی طرح نکال دیتے تھے۔ [۲]

کھانے کے برتن کھلے نہ رکھے جائیں۔ غذا میں پاکی صفائی کا جو اہتمام مطلوب ہے اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں ڈھک کر رکھی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ کھانے پینے کے برتن کھلے نہ رکھے جائیں۔ اس لیے کہ کھلے برتنوں میں ایک تو کھانا گردوغبار سے محفوظ نہیں رہ سکتا دوسرے یہ کہ ان پر مکھیاں اور مچھر وغیرہ آسانی سے گندگی پھیلا سکتی ہیں۔

حضرت ابو حمید ساعدیؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا پیالہ لے گیا، پیالہ ڈھکا ہوا نہیں تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم نے اسے ڈھکا نہیں۔ کچھ نہیں تو لکڑی کا ایک ٹکڑا ہی اس پر رکھ دیتے۔ [۳] (تاکہ ڈھکنے کی عادت باقی رہے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پانی طلب فرمایا۔ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ آپؐ پسند فرمائیں تو نبیذ پیش کی جائے۔ آپؐ نے فرمایا بہت اچھا۔ وہ دوڑا ہوا گیا اور ایک پیالہ میں نبیذ لایا۔ آپؐ نے فرمایا، اسے تم نے ڈھکا نہیں، ایک لکڑی کے ٹکڑے ہی سے اسے ڈھک دیتے۔ [۴]

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا کان جنح اللیل ..... واوکوا قربکم واذکروا اسم اللہ وخمروا اٰنیتکم واذکروا اسم اللہ ولوان تعرضوا علیہا شیئاً واطفئوا مصابیحکم [۵]	جب رات ہو تو ..... اپنے مشکیزوں کے منہ بند کر دو اور اللہ کا نام لو، اپنے برتنوں کو ڈھک دو۔ اور اللہ کا نام لو، ڈھکنے کے لیے کوئی برتن نہ ملے تو ان کے اوپر کوئی بھی چیز رکھ دو۔ اور اپنے چراغ بجھا دو۔

(بقیہ صفحہ ۴۳ پر)

[۱] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب تفتیش التمر عند الاکل [۲] حوالہ سابق

[۳] مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب تخمیر الاناء [۴] حوالۂ سابق [۵] حوالہ سابق۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

مغربی طرزِ حیات اِنسانی اِقدار کے لئے ایک عظیم خطرہ

امریکہ میں ہونے والے خودکشی کے واقعات کی تازہ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں ہر سال بیس ہزار سے زائد افراد دماغی الجھن، ذہنی انتشار اور زندگی میں ناکامی کے نتیجہ میں خودکشی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ انہیں معاشروں میں خودکشی کے واقعات رونما ہوتے ہیں جہاں انسانی خواہشات اور تمناؤں اور زندگی کے میدان میں برتری حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا رجحان توازن کی حد سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں یہ واقعات زیادہ ہوتے ہیں جبکہ مشرقی ممالک میں اس کی نسبت بہت ہی کم ہوتی ہے اور اسلامی معاشرہ تو اس سے بالکل مبرا نظر آتا ہے۔

خودکشی ہمیشہ ذہنی انتشار، عملی زندگی میں ناکامی، احساسِ کمتری، دل شکستگی اور مایوسی کا نتیجہ ہوتی ہے اور ان احساسات کے حامل افراد کے اندر قوت ارادی باقی نہیں رہتی کہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کوئی نئی جدوجہد کر سکیں چاہے وہ کسی دوسرے کی محرومی یا نقصان کے نتیجے میں حاصل ہوں، اسی لیے جہاں خودکشی کے واقعات ہوتے ہیں وہاں دوسرے اخلاقی اور اجتماعی جرائم بھی زیادہ ہوتے ہیں جو لوگ زندگی یا اپنی صلاحیت سے مایوس نہیں ہوتے وہ اپنی روا ناروا خواہشات کو پورا کرنے کی نت نئی راہیں ڈھونڈتے ہیں۔ اس شکل میں ان کی کارفرمائی اس حد تک شعلہ بداماں ہوتی ہے کہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے حقوق چھین لیتے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کا سامان مہیا کرنے میں ذرّہ برابر جھجک محسوس نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ اخلاقی اور اجتماعی جرائم کا اڈہ بن جاتا ہے۔

ترقی یافتہ اور متمدن ممالک کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی اگر زیب و زینت کے سامان، تراش و خراش اور عیش و عشرت کے ذرائع سے مالا مال ہے لیکن چین و سکون کی دنیا سے کوسوں دور ہے۔ وہاں کے باشندے ایک طرح کی گھٹن اور ذہنی کش مکش کے شکار رہیں، وہ اعصابی توازن کھو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ ذہنی اور اعصابی امراض سے دوچار ہیں، اور اس گھٹن سے نکلنے کے لیے اکثر

خودکشی کا سہارا لیتے ہیں، اس کے علاوہ اخلاقی جرائم، قتل و غارت گری اور دہشت پسندی کے روز افزوں واقعات کا تو ذکر ہی کیا۔

تاریخ عالم اور خصوصاً ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ کا ایک سرسری جائزہ اس معاشرے میں رہنے والے انسانوں کی ذہنیت پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے وہاں اس طرح کے واقعات اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ ماہرین سماجیات انگشت بدنداں ہیں لیکن اس کا کوئی مناسب حل ابھی تک تلاش نہیں کر سکے ہیں۔ اس مسئلہ کا واحد حل سوسائٹی میں بنیادی طور پر فکری اور اجتماعی انقلاب ہے۔ ایک رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں ہر سال ایک لاکھ قتل کی وارداتیں پیش آتی ہیں۔ جنسی بے راہ روی سے پیش آمدہ واقعات کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ ہے اور لگ بھگ چار لاکھ افراد دہشت پسندی اور انارکی جیسے جرم کے شریک نظر آتے ہیں، مرد و عورت کے باہمی اختلاط نے غیر قانونی شرح پیدائش میں اس قدر اضافہ کر دیا ہے کہ ہر سال دس لاکھ امریکی ناکتخدا لڑکیاں حاملہ ہو جاتی ہیں اور دلربائی و لطف اندوزی اور لذت کام و دہن کی خاطر قتل کے واقعات میں برابر اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اس اخلاقی گراوٹ کے واقعات ان ممالک میں بھی رونما ہو رہے ہیں جن پر امریکی طرزِ حیات نے اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اسلامی ممالک جو اسلامی اقدار و روایات کا دم بھرتے ہیں وہ بھی اس مہلک اثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ سعودی عرب کی زندگی جو مسلم ملکوں میں سب سے زیادہ اخلاقی اور اجتماعی پابندیوں پر عمل کرنے والا ملک ہے۔ مغربی مشینری اور اس کی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہو رہی ہے۔

ایک سعودی اخبار نے شکوہ کیا ہے کہ ریاض کی سڑکوں پر بعض اوقات لڑکیوں کے ساتھ خوش مذاقی اور چھیڑ چھاڑ کے مظاہر سامنے آنے لگے ہیں، یہ درحقیقت مغربی طرزِ فکر و حیات کو پوری طرح قبول کر لیا ہے۔ ان کا تو ذکر ہی بےکار ہے۔

اخبارات میں ایسی رپورٹیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں جن میں دنیا میں پیش آمدہ مختلف طرح کے واقعات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی اشاعت اخباروں تک محدود رہتی ہے۔ عام طور پر لوگ ان پر سرسری نگاہ ڈال کر گذر جاتے ہیں ہیں اور ان سے دوررس نتائج نہیں نکالتے جو ان کی سلوٹوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ نتائج اس تصوّرِ حیات سے متصادم ہوتے ہیں جو ترقی یافتہ معاشرے کے متعلق مغربی مفکرین نے ذہنوں پر مسلط کر دیا ہے، اسی وجہ سے اگر کوئی بات اس روایتی نقطۂ نظر سے ٹکراتی ہے تو اس سے صرفِ نظر کر لیا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے مغربی طرزِ حیات کے خدوخال،

اپنی شکل میں نمایاں ہو کر ہمارے سامنے نہیں آتے۔

اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ عالمی خبر رساں ایجنسیاں اور ریڈیو صرف ان واقعات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جن کا تعلق مشرقی یا پس ماندہ ممالک سے ہوتا ہے اور وہ ترقی یافتہ ممالک کی سیاسی آمریت، فکری انتشار، جماعتی کشمکش اور اخلاقی انار کی پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔

یہ سب مغرب کی خوف زدہ ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ وہ اب تک اپنی ذات پر اعتماد قائم نہیں کر سکا ہے۔ اس لیے وہ مشرق سے پیہم بر سرِ پیکار رہے۔ مشرق کے پاس ترقی کے تمام امکانات موجود ہیں وہ آج بھی اپنی گزشتہ عزت و شرف واپس لا سکتا ہے خصوصاً شرقِ اسلامی جس کو مغرب اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے، اس اقدام کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔

لیکن مغرب وہاں ایمان و یقین اور جوش و جذبہ کے تمام شراروں کو سرد کرنے کے درپے ہے، وہ اس کے عیوب ظاہر کرنے کے لیے اپنے تمام وسائل استعمال کر رہا ہے۔ لیکن حقائق حقائق ہوتے ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور وہ وقت دور نہیں کہ ہر صاحب بصیرت کے سامنے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی جس پر مغربی آمریت نے غیر صحت مند پروپیگنڈوں کی ایک دبیز چادر ڈال رکھی ہے۔ وہ وقت ہو گا جب عالمِ اسلام مغرب کی سیاسی بازی گری کے جال سے نکل چکا ہو گا اور اپنے ذہین افراد کے بل بوتے پر اپنے مستقبل کی تعمیر میں رواں دواں ہو گا۔ (بقیہ صٓ۳۹ سے)

اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں خمروا الطعام والشراب کھانے اور پینے کی چیزوں کو ڈھک دو۔ [1]

بعض حدیثوں میں کھانے کے برتنوں کو ڈھکنے کا حکم مطلق آیا ہے۔ ان میں رات یا دن کی کوئی قید نہیں ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے۔ اس پر جس طرح رات میں عمل ہو گا اسی طرح دن میں بھی ہو گا۔ [2] یہاں رات کا ذکر خاص طور پر اس لیے ہے کہ رات میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی سے کوئی بھی چیز کھانے کو نہ صرف ناپاک بلکہ زہر آلود کر سکتی ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الاشربہ، باب تغطیہ الاناء [2] شرح مسلم ج ۵ جزء ۱۳ صٓ۱۸۳

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

سپین میں مغربی تہذیب کا وحشیانہ کھیل

یورپ میں واقع ملک اسپین میں جانوروں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے اس کی ایک تصویر ملاحظہ فرمایئے:

یہاں ہر اتوار اور چھٹیوں کے دنوں میں ایک بہت بڑے گراؤنڈ میں ہزاروں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس گراؤنڈ کی دیواروں پر سرخ رنگ لگایا جاتا ہے۔ پھر ایک نہایت ہی مضبوط بیل چھوڑا جاتا ہے۔ جس کے سینگ نوکیلا ر ہوتے ہیں۔ یہ بیل گراؤنڈ میں پہنچ کر سرخ نشانات کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے۔ اور ادھر ادھر پوری قوت سے دوڑتا ہے تاکہ حملہ کر سکے۔ لیکن اس کا سر دیواروں سے ٹکراتا ہے ۔۔۔ اس میدان میں پانچ افراد جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں سرخ رنگ کی چادر تھامی ہوتی ہے بیل کو اپنی جانب مدعو کرتے ہیں۔ بیل ان پر حملہ کی نیت سے دوڑتا ہے لیکن وہ ناکام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ۱۵ منٹ تک اس بے زبان جانور کو یونہی دوڑایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی قوت ختم ہونے لگتی ہے اور تھک کر ایک جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے بعد دو گھوڑ سوار اپنے ہاتھوں میں نیزے لیکر دو اطراف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ گھوڑے کو بھی سرخ رنگ کی چٹائی سے ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ بیل اس شدید سرخ رنگ کو دیکھ کر اس پر حملہ آور ہوتا ہے نوکیلے سینگ چٹائیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اور گھوڑ سوار نیزے کے ذریعہ اس کی گردن کو نشانہ بناتا اور زخمی کرتا ہے۔ بیل زخمی ہو کر دوسری جانب دوڑتا ہے تو وہاں بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ جانور کی گردن سے خون نکلتا ہے اور دوڑ دوڑ کر اس کا سارا بدن لہولہان ہو جاتا ہے۔ زبان تھکاوٹ کی وجہ سے باہر نکل آتی ہے۔ منہ سے جھاگ نکلتی ہے۔ اسے پانی کی سخت ضرورت ہوتی ہے لیکن یہاں کڑکتی دھوپ اور مٹی کی زمین کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ ابھی وہ پوری طرح سنبھلنے بھی نہیں پاتا کہ پھر سرخ رنگ کے سورما سرخ چادر دکھا دکھا کر مزید دوڑاتے اور تھکاتے ہیں۔ اس کے کچھ دیر بعد ایک سورما اپنے ہاتھوں میں دو چھوٹے نیزے لے کر اپنی جانب مدعو کرتا ہے۔ جب جانور تیزی سے اس کی جانب دوڑتا ہے تو یہ سورما ذرا سا دائیں بائیں ہٹ کر یہ دونوں نوکیلے نیزے اس کی گردن میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ پھر سرخ رنگ کی چادر دکھائی جاتی ہے۔ پھر دو نیزے پیوست ہوتے ہیں۔ چھ نیزے اسی طرح یکے بعد دیگرے اس کی گردن میں پیوست ہوتے ہیں۔ اور خون نکلتا چلا جاتا ہے۔ گراؤنڈ میں موجود تماشائی نعرے لگاتے ہیں۔ تالیاں اور سیٹیاں بجاتے ہیں۔ اور اس سورما کی خوب خوب داد دیتے ہیں پھر بیل کو سرخ رنگ دکھا کر دوڑایا جاتا ہے۔ جانور تڑپتا پھڑکتا غصہ کی حالت میں ادھر ادھر بھاگتا چلا جاتا ہے۔ پھر وہ سورما اپنے ہاتھ میں ایک نہایت نوکدار اور تیز اور باریک تلوار لے کر جانور کو اپنی جانب مدعو کرتا ہے۔

جوں ہی جانور تیزی سے حملہ کرنے آتا ہے یہ پوری تلوار اس کی گردن میں داخل کرتا ہے۔ اور ۴۸۰ کلو سے زائد مضبوط جانور گر کر دم توڑ دیتا ہے۔ کئی مرتبہ تین تین مرتبہ یہ عمل دہرایا جاتا ہے۔ تب وہ تلوار اس کی گردن میں نیچے اترتی ہے۔ چاروں طرف تماشائی اٹھ کر شاباش دیتے ہیں۔ اور دو گھوڑوں کی مدد سے اس مردہ جانور کو گراونڈ سے گھسیٹ کر باہر لے جایا جاتا ہے۔ اور پھر چند منٹوں کے بعد دوسرے جانور کے ساتھ یہی عمل جاری رہتا ہے اور ایک دن میں دس بارہ جانور اس کھیل کی نذر ہوتے ہیں۔

یہ انتہائی وحشناک کھیل اور وحشیانہ عمل اسپین اور امریکہ کے قریب ملک میکسیکو میں بھی بہت مقبول ہے۔ اور وہاں کی ٹی وی پر بھی دکھایا جاتا ہے۔ اس قسم کے سورماؤں کو المانڈوڑ کا خطاب دیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ اس مخصوص قسم کے بیل کو بچپنے سے ہی سرخ رنگ سے نفرت دلائی جاتی ہے۔ اور اس کے باقاعدہ ادارے ہوتے ہیں۔ اور اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ بچھڑے کو سرخ رنگ کا کپڑا دکھا کر اسے بجلی کا ہلکا جھٹکا دیا جاتا ہے۔ بچھڑا یہ سمجھتا ہے کہ یہ سرخ رنگ کی شرارت ہے جو اسے تکلیف دے رہا ہے۔ چنانچہ اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ سرخ رنگ اس کا سخت دشمن ہے۔ یہی اسے تکلیف دے رہا ہے اس کے دل میں سرخ رنگ کے خلاف نفرت سخت ہوتی ہے۔ جہاں سرخ رنگ نظر آیا وہ آپے سے باہر ہوا اور حملہ کرنا شروع کر دیا۔

یہ ان ممالک کے لوگوں کے کرتوت ہیں جنہیں نہ صرف اپنے مہذب ہونے پر ناز ہے بلکہ اس تہذیب کو دوسرے ممالک میں رواج دینے کے لیے ہر قسم کے پاپڑ بھی بیلے جاتے ہیں۔ یہ وہ نام نہاد مہذب ممالک ہیں جو جانوروں کے حقوق کے والی وکیل ہونے کے مدعی ہیں۔ اور موقع بموقع اسلام کے طریقۂ ذبح کو اپنے طنز و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ لیکن انہیں اپنے گریبان میں جھانکنے کی فرصت نہیں کہ وہ جانوروں کے ساتھ کتنے سنگدلانہ اور وحشیانہ طریقے اختیار کرتے ہیں۔

ایک وہ دور بھی تھا جب جانوروں پر ظلم و ستم انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ تیر اندازی کی مشق کے لیے پرندہ استعمال ہوتا تھا۔ امیر شخص کی وفات پر اس کی سواری کے جانور کو اس کی قبر کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا وہ بھوکا پیاسا ہی مر جاتا تھا۔ زندہ اونٹ کی کوہان کاٹ لی جاتی اور زندہ جانور کا گوشت چیر کر نکال لیا جاتا۔ جانوروں کا مثلہ بھی ہوتا اور اسے داغا بھی جاتا تھا۔

اس دور کو ہم اور آپ دورِ جاہلیت کہتے ہیں۔ اس دور کو غیر مہذب کہا جاتا ہے۔ اور ان لوگوں کو وحشی کہتے ہماری زبان نہیں تھکتی۔ لیکن بیسویں صدی کی اس مہذب (CIVILISED) دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ غیر انسانی افعال و کردار اور حیاسوز نقوش جو دن رات ابھرتے ہیں۔ اور جانوروں کے ساتھ یہ وحشیانہ اور سنگدلانہ

سلوک کیا اُس دورِ جاہلیت سے بڑھ کر نہیں؟ اُن لوگوں نے مہذب ہونے کا نعرہ نہیں لگایا تھا۔ مگر یہ قومیں تو مہذب ہونے کا دعویٰ کا وظیفہ کرتے نہیں تھکتیں، آخر ان دونوں کے درمیان وجہ فرق کیا ہے؟ اگر وہ جانوروں کے ساتھ سنگدلانہ سلوک کریں تو انہیں جاہل اور غیر مہذب ہونے کا طعنہ دیا جائے۔ اور مغربی تہذیب اسی جانور کے ساتھ وحشیانہ طرزِ عمل اختیار کرے تو پھر بھی اس کے مہذب ہونے پر کوئی حرف نہ آئے؟ الا ساء ما یحکمون۔

ہم یہ بات بلا جھجک کہہ سکتے ہیں بلکہ دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ اقوام مغرب نے جانوروں کے حقوق کی حفاظت کے جو نعرے لگائے اور دعوے کئے ہیں۔ وہ ان کے طرزِ عمل سے بالکل میل نہیں کھاتے۔ ان کے یہ دعوے کھوکھلے ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے ہر ایک کے حقوق بتلائے اور اس کی تفصیلات بیان کیں۔ اس پہ وعدے اور اس کی خلاف ورزی پر وعید سنائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہیں کئی مرتبہ جانوروں پر ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کیا۔ انہیں ان کا پورا پورا حق دلایا۔ اتقوا اللہ فی ھذہ البھائم۔

جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو ارشاد فرما کر ان کے حقوق کی حفاظت فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں وہ شخص ملعون ہے جو کسی جانور کو تختۂ مشق بنانے کے لیے پکڑتا ہے۔

(رواہ البخاری)

غور فرمائیے جانوروں کے حقوق کی حفاظت کس نے کی؟ کس نے اس کے حقوق بتلائے۔ اسلام نے یا نام نہاد مہذب مغرب نے؟

سچ ہے مغربی تہذیب نے صرف انسانیت کو تباہ نہیں کیا بلکہ بے زبان جانور بھی اس تہذیب کا شکار بن رہے ہیں۔ یہ تہذیب صرف انسان دشمن تہذیب نہیں بلکہ جانوروں کے حقوق کی بھی سخت دشمن ہے۔ اسپین اور میکسیکو میں ہونے والے اس سنگدلانہ کھیل کے خلاف کس ملک نے آواز اٹھائی ہے؟ کس نے پابندی کا مطالبہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ مغرب میں ہو رہا ہے۔ اور مغرب اس پر خاموش ہے۔ اس کی زبان گنگ ہے۔ کیونکہ اسے جانور کے حقوق کی حفاظت مقصود نہیں اپنے جذبات کی تسکین محبوب ہے۔ خواہ وہ انسان کو بگاڑ کر ہو یا جانور کو مار کر۔

اب جب کہ یورپی ممالک میں اتحاد کی فضا پیدا کی جا چکی ہے ہم یورپ کے تمام حکمرانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اسپین میں ہونے والے اس سنگدلانہ کھیل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ اور جانوروں کے حقوق کی تنظیمیں بھی زبانی جمع خرچ کے بجائے میدانِ عمل میں اتریں تاکہ کھلے عام سنگدلی اور وحشیانہ عمل کو روکا جا سکے۔

مچھروں سے مکمل نجات حاصل کیجئے
ویپ
ماسکیٹو میٹ
Vape mat
FUMAKILLA
FUMAKILLA
Vape mat f
ELECTRONIC MOSQUITO DESTROYER

ڈاکٹر گل حسن لغاری

ترجمہ: جناب رحمت فرخ آبادی ایم۔اے

سندھ کے مشہور محدثین

سرزمینِ سندھ کو یہ شرف حاصل ہے کہ دینِ اسلام کی روشنی نے نہ صرف اس سرزمین کو منور کیا قرب و جوار میں بہت سے گمراہ لوگوں اور مردہ دلوں کو بھی زندۂ جاوید حقیقت سے آشنا کر کے نئی زندگی بخشی۔ قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کا علم ہو یا فقہ و منطق اور علم و عرفان، سرزمینِ سندھ کو شرف حاصل ہے کہ یہاں اب بھی ان تمام علوم کے ماہرین موجود ہیں اور یہ کہ سندھ کی تاریخ کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا ہے کہ جس میں دینی علوم کے بارے میں علماء اور فقہاء کی کمی ہو بلکہ سندھ کے عالم اور فقیہہ عرب و عجم تک میں درس و تدریس کے لیے دلوانہ وار نبار رہتے تھے۔

ابو معشر نجیح سندھی

دوسری صدی ہجری میں جو لوگ حدیث و سیرت کے امام سمجھے جاتے تھے، ان بزرگوں میں ابو معشر سندھی بھی شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ مدینہ منورہ گئے اور وہاں سکونت اختیار کرلی، اسی وجہ سے مدینہ میں انہیں فنِ مغازی اور سیرت کا امام سمجھا جاتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کا نام اس فہرست میں بھی رہ ہے جو مغازی اور سیرت کے واقعات پر سب سے پہلے ضبطِ تحریر میں لائی گئی۔ ان کی وفات، انہیں ہوئی انتقال کے وقت تک ان کے لب و لہجے پر سندھی اثرات باقی رہے اور اسی وجہ سے وہ الفاظ کے مخرج کو صحیح طور پر ادا نہ کرسکتے تھے لیکن اس کے باوجود دینی علوم کی تعلیم کے لیے تلامذہ جھمگٹا رہتا تھا۔ ابو معشر کی نمازِ جنازہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے پڑھائی تھی۔

رجا سندھی

سندھ کے دوسرے بزرگ اور نامور محدث رجا سندھی ہیں۔ یہ ایران پہنچے تو خدمتِ حدیث مقصد تھا فنِ حدیث پر رجا سندھی کو اس درجے عبور حاصل تھا کہ لوگ انہیں "رکن من ارکان الحدیث" کہتے تھے۔ رجا سندھی نہ صرف اعلیٰ پائے کے محدث تھے بلکہ ان کے خاندان کے بیشتر افراد بھی حدیث جانتے تھے۔ ان کا انتقال ۲۲۱ھ میں ہوا۔

سید عبدالاوّل جون پوری

اکبری دور کے عالم سید عبدالاوّل جون پوری (متوفی ۹۶۵ھ) اپنے زمانے کے مشہور محدث تھے۔ ان کے تلامذہ میں سے ایک بزرگ شیخ طیب سندھی بھی تھے، جنہوں نے گجرات میں فنِ حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی، بعد میں شیخ طیب سندھی نے تقریباً پچاس سال ایلچ پور اور

برہان پور میں علمِ حدیث کی خدمت کی۔ شیخ علی متقی جن کا خاندانی وطن جون پور تھا لیکن وہ عنفوانِ شباب ہی میں ملتان چلے گئے تھے اور وہاں انہوں نے شیخ حسام الدین متقی سے علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کی، پھر ملتان سے وہ عرب چلے گئے اور وہاں چند سال انہوں نے حجاز کے مشہور و معروف اساتذہ اور مشائخ کبار کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان علما اور مشائخ میں شیخ ابن حجر مکی صاحب صواعق محرکہ، شیخ ابوالحسن بکھری اور محمد بن محمد سخاوی قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ متقی کا انتقال ۹۷۵ھ میں ہوا۔ انہوں نے ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک علم حدیث پر کتابیں لکھیں، جن میں "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ ایک مختصر مجموعہ "منتہج العمال" کے نام سے بھی لکھا۔

شیخ متقی کی تربیت سے کئی لوگ اوجِ کمال تک پہنچے، ان میں شیخ عبدالوہاب متقی مالوی برہان پوری شیخ محمد طاہر پٹنی (احمد آباد گجرات)، شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوری، شیخ عبداللہ، شیخ رحمت اللہ سندھی اور شیخ برخوردار سندھی قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ علی متقی کے تلامذہ میں شیخ عبداللہ بن سعدالدین اور شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بھی شامل تھے ان دونوں بزرگوں کا تعلق سندھ سے ہے۔ ان کے والد بزرگوار مدینہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ یہ دونوں بزرگ شیخ علی متقی کے خاص تلامذہ اور خلفا میں سے تھے۔ ۹۷۰ھ میں یہ دونوں مدینہ منورہ سے ہندوستان آئے اور احمد آباد (گجرات) میں سکونت پذیر ہو گئے، جہاں انہوں نے درس حدیث کی مسند بچھائی۔ آخری عمر میں یہ دونوں بزرگ حجاز واپس چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ شیخ رحمت اللہ کے بھائی شیخ حمید سندھی تھے جو علم تفسیر و حدیث میں دسترس رکھتے تھے۔ شیخ برخوردار سندھی حجاز ہی میں درس و تدریس میں مشغول رہے اور شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے بھی ان سے فیض حاصل کیا تھا۔

شیخ محمد قاسم

یہ سندھ کے باشندے تھے اور انہوں نے عرب جا کر علمِ حدیث میں اس درجے کمال حاصل کیا کہ انہیں "رئیس المحدثین" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ ان کا حجاز ہی میں انتقال ہوا۔ ان کی اولاد برہان پور میں آکر مقیم ہو گئی تھی۔ شاہ محمد عیسیٰ جند اللہ ان کے فرزند رشید تھے اور شاہ محمد کے فرزند بابا فتح محمد برہان پوری تین نسلوں تک دینی علوم اور علمِ حدیث کے وارث رہے اور اس سلسلے کو جاری رکھا۔

شیخ ابوالحسن سندھی

انہوں نے سرزمینِ عرب میں خود کو علمِ حدیث کا درس دینے کے لیے وقف کر دیا تھا، چنانچہ مدینہ منورہ میں انہوں نے "دار الشفا" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جو اب تک موجود ہے۔ مدرسے کا نام "دار الشفا" اس لیے رکھا گیا تھا کہ ان کے ایک واقفِ حال نے یہ شرط لگا دی تھی کہ اس مدرسے میں قاضی عیاض کی ایک کتاب "کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ" کا روزانہ درس دیا جایا کرے گا۔

شیخ ابوالحسن سندھی گیارھویں صدی ہجری کے درمیانی عرصے میں اس مدرسے میں درس دیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۳۹ھ میں ہوا۔ انہوں نے حرمِ نبوی میں بیٹھ کر حدیث شریف کی متعدد کتابوں کی شرح اور ان کی تعلیقات لکھی تھی۔ ان کتابوں

ہیں جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کا سب سے اہم اور قابلِ ذکر کارنامہ یہ ہے کہ مسند احمد ابن حنبل جو آٹھ جلدوں میں ہے اور جس کی شرح اب تک کسی نے بھی نہیں لکھی ہے، انہوں نے پچاس جزا میں اس کی شرح لکھی۔ ان کے شاگردوں میں دو قابل ذکر ہیں۔ ایک حاجی عبدالولی طرخانی کشمیری اور دوسرے شیخ محمد حیات سندھی۔

حاجی عبدالولی طرخانی کشمیری، دراصل طرخان واقع ترکستان کے باشندے تھے۔ وہاں سے یہ حرمین شریفین گئے اور مدرسہ دار الشفا میں علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے کشمیر میں شیخ الاسلام مولانا قوام الدین محمد کے پاس چلے گئے اور ان کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ان کی وفات ۱۱۷۱ھ میں ہوئی۔

شیخ محمد حیات سندھی

ان کی جائے قیام سندھ میں عادل پور درکوٹ سید موسیٰ قادری کے قرب وجوار میں تھی اور چاچڑ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ایام شباب میں شوق و محبت کے جذبے کی بنا پر حرمین شریفین چلے گئے اور وہیں مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کر لی اور وہیں رشتۂ ازدواج میں بھی منسلک ہوئے۔ وہاں انہوں نے شیخ ابوالحسن سندھی مدنی سے اور کسی قدر عبداللہ بن سالم سے علمِ حدیث کی تحصیل کی اور پھر تمام زندگی علمِ حدیث کی خدمت میں گزار دی۔ مصر، روم، شام، سندھ اور ہندوستان میں ان کے علم و فضل کا شہرہ تھا اور چاردانگِ عالم سے لوگ ان کے تلامذہ میں آکر شامل ہونے لگے، ان کا انتقال ۱۱۶۳ھ میں ہوا۔ ہندوستان کے ان اصحاب اہلِ علم و فضل میں سے جنہوں نے علمِ حدیث کی تحصیل شیخ محمد حیات سندھی سے کی تھی، مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ شیخ غلام علی آزاد بلگرامی: انہوں نے حدیث کی کچھ کتابیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) سے پڑھیں لیکن جب یہ حجاز گئے تو مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندھی کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے اور صحیح بخاری کی ان سے تعلیم حاصل کی اور علمِ حدیث کی دیگر کتابوں میں سند حاصل کی۔

۲۔ شاہ محمد فاخر الہ آبادی: اس خاندان کا اصل مسکن غازی پور کا گاؤں سید پور تھا۔ شاہ محمد افضل نے جون پور میں تعلیم حاصل کی تھی۔ نقشبندی سلسلے سے منسلک تھے اور سنتِ نبوی کی ہر طرح سے پیروی کرتے تھے۔ شاہ محمد افضل ۱۰۴۸ھ میں تولد ہوئے اور ۱۱۲۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ تصوف اور فارسی ادبیات کی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ انہی کے نواسے شاہ محمد فاخر الہ آبادی تھے جو شاعر بھی تھے اور ان کا تخلص زائر تھا۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی شیخ محمد طاہر سے تعلیم حاصل کی۔ اٹھائیس سال کی عمر میں حج کے ارادے سے روانہ ہوئے اور پھر مدینہ منورہ پہنچے، جہاں انہوں نے شیخ محمد حیات سندھی سے علمِ حدیث کی سند حاصل کی۔ انہوں نے دو مرتبہ حج کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ تیسرا حج کرنے کا بھی ارادہ تھا کہ راستے ہی برہان پور میں ۱۱۶۴ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ "قرۃ العین فی رفع الیدین" اور "نور السنۃ" اور "التحقیق" ان کے مشہور رسالوں کے نام ہیں۔ شاہ محمد فاخر اور مولانا آزاد بلگرامی نے شیخ محمد حیات

سندھی سے مدینہ منورہ ہی میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔

قاضی ابوسعید عبدالکریم سمعانی ۵۰۴ھ میں مرو واقع ترکستان میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں ۵۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ علمِ حدیث کی طلب اور تحصیل کے لیے انہوں نے اس وقت کی پوری اسلامی دنیا کا دورہ کیا اس طرح انہوں نے چار ہزار استادوں سے یہ علم حاصل کیا۔ ماوراءالنہر اور خراسان کئی دفعہ گئے۔ اس کے علاوہ عراق، شام اور عرب تک کا دورہ کیا اور ہر جگہ سے فیض پایا اور برکت حاصل کی۔ انہوں نے اور ایک کتاب "کتاب الانساب"[1] کے نام سے لکھی جو ۱۹۱۲ء میں گب میموریل سیریز کے سلسلہ اشاعت میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ان لوگوں کے حالات درج کیے ہیں جو اپنے پیشے، شہر اور پیشے کی مناسبت سے مشہور تھے۔ اس کتاب میں چھٹی صدی ہجری تک کے اکثر شہروں کے باکمال اصحابِ علم و فضل کا تذکرہ ہے۔ ان میں سندھ بھی شامل ہے۔ اس دور کے برصغیر کے شہروں میں سندھ، منصورہ، دیبل اور لاہور کے نام شامل ہیں مگر دہلی کا نام اس وجہ سے نہیں آیا کہ اس زمانے یعنی ۵۶۲ھ تک دہلی، مسلم حکومت کے دائرے میں نہ آیا تھا۔ اس کتاب میں سندھ کے مندرجہ ذیل بزرگوں کا تذکرہ ہے۔

۱۔ ابومعشر نجیح (متوفی ۱۷۰) اور رجا سندھی (متوفی ۲۲۱ھ)۔ اس میں رجا سندھی کی اولاد کا بھی تذکرہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان میں کافی عرصے تک علمِ حدیث کا چشمۂ فیض جاری رہا تھا۔ ان میں ابوعبداللہ بن رجا اور ابوبکر محمد بن محمد بن رجا بہت مشہور ہیں۔

۲۔ ابونصر فتح بن عبداللہ، فقیہ، متکلم اور محدث تھے، اور حسن بن سفیان کے حلقے میں تشریف لے جاتے، یہ ہمدان اور قزوین کے قاضی بھی رہے تھے۔

۳۔ احمد بن سندھی بن فروخ، بغداد میں سکونت پذیر تھے۔

۴۔ احمد بن سندھی بن حسن بھی بغداد ہی میں رہائش پذیر تھے۔

بیت المقدس کا عرب سیاح اور عالم ابوالقاسم مقدسی چوتھی صدی ہجری میں سندھ آیا۔ وہ سندھ کے اسلامی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ان میں زیادہ تر اہلِ حدیث ہیں اور یہاں کے بڑے شہر اور گاؤں حنفی فقہ سے خالی نہیں ہیں لیکن مالکی یا حنبلی فقہ سے متعلق فرد کوئی نہیں ہے۔" اہلِ حدیث کا ایک فرقہ ظاہر یہ کہلاتا ہے، اس

---

[1] موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ کی مطبوعہ معروف کتاب "ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال"، مولفہ مولانا عبدالقیوم حقانی بھی زیادہ تر اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اردو زبان میں اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جس کے تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں جسے جی ایچ کیو نے ملک بھر کے فوجی خطیبوں کے لیے ریویو کے لیے منظور کیا اور نیشنل بک کونسل آف پاکستان نے سرٹیفکیٹ آف کمینڈیشن دی۔

کے بانی امام داؤد بن علی اصفہانی (متوفی ۲۷۰ھ) ہیں۔ یہ ہر قسم کے قیاس کے سخت مخالف تھے اور قرآن کریم اور حدیث نبوی کے صرف ظاہری معنی پر ہی اکتفا کرتے تھے اور اسی وجہ سے یہ ظاہری کہلاتے تھے۔ داؤد ظاہری کے انتقال کے ایک سو سال کے بعد ابو القاسم مقدسی سندھ آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں داؤدی مذہب کے محدث موجود تھے۔ اس مقام پر وہ منصورہ کے قاضی ابو محمد کا تذکرہ کرتا ہے جن سے اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی، یہ داؤد ظاہری کے مسلک کے پیرو اور اپنے مذہب کے امام تھے۔ ان کے درس کا سلسلہ بھی قائم تھا اور ان کی کئی قابلِ قدر تصانیف بھی تھیں۔ اس لحاظ سے قاضی ابو محمد کا دور چوتھی صدی ہجری کے آخری حصے سے منسلک ہوگا۔

منصورہ کے ایک دوسرے محدث "قاضی ابو العباس احمد بن محمد المنصوری تھے۔ ان کا تذکرہ سمعانی نے کیا ہے۔ یہ بھی ظاہری مذہب کے امام تھے۔ عراق اور فارس میں بھی کچھ عرصہ رہے تھے اور مشہور محدث اثرم کے حلقۂ درس میں شامل رہے تھے اور ابو عبداللہ حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) ان کے شاگرد تھے۔ اس طرح یہ بھی چوتھی صدی ہجری کا آخری دور تھا۔

سمعانی نے دیبل کے جن چند محدثین کا تذکرہ کیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ابو جعفر بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی ——— یہ مکہ معظمہ میں رہائش پذیر تھے اور امام ابن کیینیہ کی "کتاب التفسیر" کے ابو عبداللہ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی کے واسطے سے اور امام عبداللہ بن مبارک کی "کتاب البر والصلوٰۃ" کے ابو عبداللہ حسین بن حسن مروزی کے واسطے سے راوی ہیں۔ انہوں نے عبدالحمید ابن سبیح سے بھی روایت کی ہے۔

۲۔ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم دیبلی ——— یہ ابو جعفر دیبلی کے فرزند تھے۔ انہوں نے موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ سے روایت کی ہے۔

۳۔ ابو القاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی ——— انہوں نے ابو القطان دیبلی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ یہ مصر تشریف لے گئے اور وہاں اپنا حلقۂ درس قائم کیا۔ ابو سعید بن یونس ان کے شاگرد تھے۔

۴۔ علی بن موسیٰ دیبلی ——— یہ اپنے دور کے ایک مشہور محدث تھے۔

۵۔ خلف بن محمد دیبلی ——— یہ علی بن موسیٰ دیبلی کے شاگرد تھے۔ بغداد میں جا کر رہنے لگے، ان کے سیکڑوں تلامذہ تھے۔

۶۔ ابو العباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی ——— یہ اپنے دور کے مشہور محدث تھے اور محمد بن ابراہیم دیبلی کے شاگرد تھے۔ یہ احادیث معلوم کرنے کے لیے اور ان کی سماعت کے لیے نیشاپور، بصرہ، بغداد، مکہ معظمہ، مصر، دمشق، بیروت، نجران اور تستر تک گئے۔ ان کا انتقال ۳۴۳ھ میں ہوا۔

مولانا ذاکر حسن نعمانی
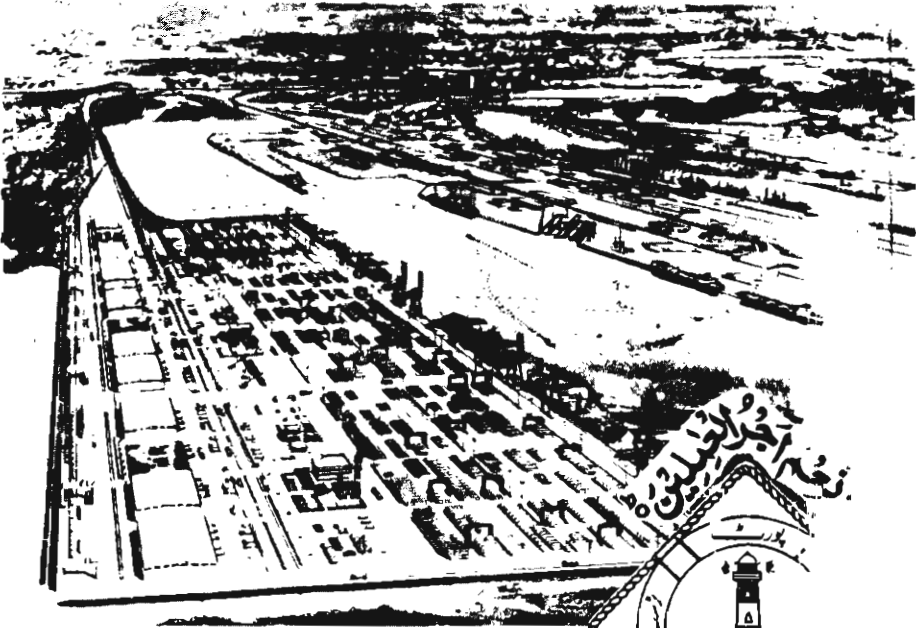
روایت حدیث میں اسناد کی اہمیت

اسناد کا مادہ سند ہے۔ اعتماد اور بھروسہ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ ہر حدیث کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں۔ ایک متن اور ایک سند۔ راویوں کا متصل سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اسناد کہلاتا ہے۔ جس کی وجہ سے حدیث مضبوط اور محکم ہوجاتی ہے۔ دنیاوی امور میں بھی جب سلسلہ اسناد صحیح اور متصل ہو تو بات کا بھروسہ زیادہ ہوتا ہے۔ ورنہ وہ امر قابل قدر نہ رہے گا۔ دنیاوی امور میں کوئی سلسلہ اسناد کی چھان بین نہ بھی کرے تو اتنا نقصان نہیں جتنا کہ دین کا نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ دین کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اس پر کفر اور ایمان کا مدار ہے۔ دنیاوی حقائق سے اگر کوئی انکار کرے یا غلط مفروضہ قائم کرے تو اس کو پاگل اور غلطی کرنے والا کہہ سکتے ہیں لیکن کافر نہیں کہہ سکتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اکثر حدیثیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنیں تھیں اور خیر القرون کا زمانہ تھا۔ دین اور اسلام پر سو فیصد چلنے والے تھے۔ دین کے خلاف معمولی بات بھی نا قابل برداشت تھی۔ اس لیے اُن کے مبارک دور میں اسناد کی اتنی ضرورت نہیں تھی جتنی کہ بعد کے دور میں پیدا ہوئی۔ کیونکہ جھوٹ کا رواج چل پڑا تھا۔ آہستہ آہستہ خیر القرون سے دوری ہوتی گئی۔ فتنے شروع ہونے لگے۔ دشمنانِ اسلام اپنی طرف سے احادیث بناتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے۔ جس کی وجہ سے صحیح اور موضوع حدیث کے مابین فرق مشکل ہونے لگا۔ اس لیے محدثین عظام نے اسماء الرجال اور سلسلہ اسناد پر خوب محنت کی۔ جس کی وجہ سے علوم الحدیث یعنی اصول حدیث اور اسماء الرجال کی کتابیں وجود میں آئیں متن اور اسناد کی چھان بین کی۔ جس کی وجہ سے احادیث کی بہت قسمیں بن گئیں۔ علامہ ابن کثیر نے الباعث الحثیث میں تقریباً پینسٹھ قسمیں ذکر کی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں سند کی چھان بین اتنی نہ تھی لیکن قبول حدیث کے سلسلے میں احتیاط غایت درجے کی تھی۔

فہم قرآن میں علامہ سعید احمد اکبر آبادی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ بشیر العدوی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اُن کے سامنے روایت بیان کرنے لگا۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی توجہ نہ کی۔ میں نے کہا ابن عباس میں دیکھتا ہوں کہ آپ میری حدیث نہیں

سننے فرمایا ایک زمانہ تھا کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے قال رسول اللہ کہتا تو ہماری نگاہیں فوراً اس کی طرف اُٹھ جاتیں اور ہم بڑی توجہ سے وہ روایت سنتے تھے اب جب کہ لوگوں نے خلط ملط کر دیا ہم اُن سے صرف وہی روایت قبول کرتے ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں۔

اسی احتیاط کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بہت قلیل الروایۃ ہیں۔جلیل القدر صحابہؓ سے بہت کم روایات مروی ہیں۔یہ اُن کا احتیاط تھا کہ نقل حدیث میں غلطی نہ ہو جائے۔ اسی احتیاط کی وجہ سے جب کوئی ثقہ شخص بھی حدیث بیان کرتا تو اس کو بغیر شہادت کے قبول نہ کرتے۔ شہادت کے بعد اس حدیث کا درجہ یعنی ثبوت قطعی ہوجاتا تو اس پر سختی سے عامل ہوجاتے۔سعید احمد اکبر آبادی نے ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ مسجد کی توسیع کے لیے حضرت عباسؓ سے زمین طلب کی انہوں نے انکار کر دیا۔اور حدیث بیان کی کہ آپ زیادتی نہیں کر سکتے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر گواہ پیش کیجئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔حضرت عباسؓ نے جماعت انصار سے اس کا ذکر کیا حضرت عمرؓ کے سامنے اُن لوگوں نے تصدیق کی کہ ہاں یہ حدیث صحیح ہے۔خلیفہ دوم نے یہ سن کر فرمایا إنّی لم أتهمك ولكن أحببت أن أتثبت یعنی میں نے تصدیق کے لیے ایسا کیا ہے یہ مطلب نہیں کہ آپ ناقابل اعتبار ہیں۔تو صحابہ کرامؓ کے مبارک دور میں حدیث کی تصدیق کے لیے شہادت تھی۔ تابعین کے دور میں سلسلہ اسناد قائم ہو۔ سب بڑے بڑے محدثین اور آئمہ سند کے بغیر حدیث قبول نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ امام زہری جن کی فراست وثقاہت میں کوئی کلام نہیں کر سکتا انہوں نے سفیان بن عیینہ سے ایک حدیث بیان کی اور اس کے ساتھ اسناد بھی بیان کرنی شروع کر دی۔تو سفیان بولے آپ سند رہنے دیجئے امام زہریؒ نے فرمایا کہ آپ بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنا چاہتے ہیں۔مقدمہ مسلم شریف سے سلسلہ اسناد اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ایک جگہ مذکور ہے عن محمد بن سیرین قال ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم۔ یعنی دیکھو یہ علم دین تم کس سے حاصل کرتے ہو ابن سیرین کا ایک اور قول ملاحظہ فرمائیں لم يكونوا يسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر الى اهل السنة فيوخذ حديثهم وينظر الى اهل البدعة فلا يوخذ حديثهم

یعنی جب فتنے واقع ہونا شروع ہوئے تو رجال کے بارے میں جاننا ضروری ہوگیا تاکہ اہل سنت اور اہل بدعت کا فرق واضح ہو جائے۔اور اہل سنت کی حدیث قبول کی جائے اور اہل بدعت کی چھوڑ

دی جائے۔ صاحب فہم قرآن نے سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے۔ کہ راویوں نے جھوٹ کی آمیزش شروع کر دی تو ہم نے تاریخ سے کام لینا شروع کر دیا مقدمہ مسلم میں ہے۔ سعد بن ابراہیم یقول لا یحدث عن رسول اللہ الا الثقات۔ ثقہ حضرات ہی آپؐ سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک کا مشہور قول ہے، الاسناد من الدین۔ یعنی اسناد دین سے ہے۔

فرماتے ہیں۔ ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔ اگر سلسلہ اسناد نہ ہوتا تو جو شخص جو چاہتا وہی کہتا اسناد کی وجہ سے آدمی محتاط رہتا ہے۔ کیونکہ سلسلہ اسناد کی وجہ سے اس کی غلطی پکڑی جاتی ہے۔ جھوٹ بولے گا یا کسی راوی کو حذف کرے گا۔

علامہ ابن صلاح فرماتے ہیں اصل اسناد اس امت کے خصائص میں سے ہے اور سنن مؤکدہ میں سے ایک بہت بڑی سنت ہے ائمہ حدیث کو اسناد عالی کرنے کی بڑی طلب ہوتی تھی۔ مرتے دم تک اس کی فکر رہتی تھی۔

یحییٰ بن معین سے کسی نے انتقال کے وقت پوچھا کہ کیا تمنا ہے۔ فرمایا ایک تنہا مکان اور عالی اسناد حافظ نیشاپوری نے معرفت علوم الحدیث میں ذکر کیا ہے کہ طلب الاسناد العالی سُنۃ صحیحۃ، یعنی اونچی سند طلب کرنا سنت ہے۔ پھر اس پر احادیث نقل کی ہیں۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اسناد اہل ایمان کا ہتھیار ہے۔ وہ شخص کیسے لڑ سکتا ہے جس کے پاس ہتھیار نہ ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسناد کے بغیر احادیث جمع کرنے والا، رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہے۔ عجب نہیں بے خبری میں ایسا گٹھا اٹھائے جس میں سانپ ہو۔

(بقیہ صفحہ ۶۳ سے)

"سیرت النبیؐ اور ہماری زندگی" "غریبوں کی تحقیر نہ کیجیے" "نفس کی کش مکش" "قسطوں پر خرید و فروخت" اس مفید سلسلہ کی تازہ مطبوعات ہیں جو سہل، سلیس، دلچسپ، مؤثر، جامع اور واقعۃً اصلاح باطن کا نسخہ کیمیا اثر ہیں مولانا محمد عبداللہ میمن ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں کہ وہ ضبط و ترتیب کی کاوش کے ساتھ عمدہ ترین طباعت کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور اس میں وہ کامیاب بھی ہیں کاشش! تمام دینی لٹریچر اسی طرح کی عمدہ طباعت کے ساتھ منظر عام پر آتا ہے مولانا میمن کو اس میں سبقت حاصل ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

= شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کی دارالعلوم میں تشریف آوری

۲۵/ اکتوبر، صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ جناب پیر صابر شاہ صاحب وزیر اعلیٰ بننے کے چوتھے روز بعد بعض صوبائی وزراء، ممبران اسمبلی اور اعلیٰ افسروں کے ساتھ مرکز علم دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، صبح کے ساڑھے نو بجے کا وقت تھا، دارالعلوم حقانیہ میں ششماہی امتحان شروع ہو چکے تھے۔ طلبہ کے تحریری امتحانات کا تیسرا روز تھا، شرکاء امتحان کی کثرت کے پیش نظر اندرون و بیرون مسجد اور ملحقہ چمن کے استعمال کے باوصف اسے بطور امتحان گاہ اپنی تنگ دامنی کی شکایت رہی دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی معیت میں وزیر اعلیٰ نے شرکاء امتحان کا یہ منظر دیکھا تو بہت متاثر ہوئے، انہوں نے درجہ تخصص اور بعض دیگر درجات کے سوالیہ پرچے بھی دیکھے امتحان گاہ کا معائنہ کیا، دارالعلوم کے اکابر اساتذہ اور شیوخ سے بھی ملاقات کی، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے ساتھ کچھ دیر امتحان گاہ میں رہے، پھر ان کی رہنمائی میں جدید ہاسٹل اور تعمیرات کا معائنہ کیا ترکستانی مہاجر طلبہ کے ہاسٹل گئے تو ان مظلوم مہاجر طلبہ کی تعلیم اور رہائش، زبان، طرز تدریس کے بارہ میں زیادہ دلچسپی لی، دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات، کتب خانہ، دارالتدریس، دارالحفظ والتجوید دفتر ماہنامہ الحق، دفتر ترجمان دین، موتمر المصنفین اور ادارۃ العلم والتحقیق کا معائنہ کیا یہیں پر دارالعلوم کے مہتمم نے انہیں موتمر المصنفین کی مطبوعات کا سیٹ بھی پیش کیا۔

حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم کی لائبریری میں انہیں ضیافت دی، وہ کچھ دیر ساتھ رہے۔ ملک کی تازہ ترین سیاسی صورت حال اور جدید نو تشکیل شدہ صوبائی حکومت اور بعض اہم امور پر تبادلہ خیال کیا۔

وزیر اعلیٰ سمیت تمام دیگر وزراء ممبران اسمبلی اور تمام اعلیٰ آفیسرز دارالعلوم کے نظام تعلیم ڈسپلن، صفائی، تعلیمی معیار، اخلاقی تربیت اور اسلامی علوم کے وسیع تر نظام سے بے حد متاثر ہوئے اس معائنہ اور دارالعلوم میں آمد کو اپنے لیے نیک فال سمجھا، وزیر اعلیٰ نے کہا کہ آئندہ صوبے کے

انتظامی امور، قومی خدمت، اور ملکی مسائل میں اخلاص اور کامیابی کے لیے میں دارالعلوم میں حاضری اور یہاں کے اکابر کی دعائیں حاصل کرنا ضروری سمجھتا تھا ــــــ یہاں آکر میرا دل مطمئن ہے اور میں خوش ہوں کہ اہل علم سے ملاقات اور ان کی دعائیں حاصل ہوئیں ۔

دارالعلوم کے ششماہی امتحانات

۲۴ اکتوبر سے دارالعلوم حقانیہ کے ششماہی امتحانات باقاعدہ شروع ہوئے حضرت مولانا انوارالحق مدظلہ کی سرپرستی میں اساتذہ کرام کی امتحانی کمیٹی نے اس سلسلہ کے تمام انتظامی امور کا جائزہ لیا اور ڈیوٹیاں تقسیم کیں ۔ جامع مسجد دارالعلوم، باہر کا صحن اور ملحقہ چمن دارالامتحان قرار پائے، مگر شرکاء امتحان کی کثرت کی وجہ سے پھر بھی جگہ تنگ رہی تاہم طلبہ کو درجات کے اعتبار سے تقسیم کرکے حسب گنجائش قریب قریب بٹھایا گیا ۔ امتحانات چار دن تک جاری رہے ۔

دارالعلوم کے اکابر اساتذہ اور شیوخ کے علاوہ خود حضرت مہتمم صاحب مدظلہ بھی روزانہ امتحان ہال میں تشریف لاکر، امتحانی نظام، کارکردگی اور متعلقہ امور میں دلچسپی لینے اور امتحانی کمیٹی کو مفید مشورے اور ہدایات دیتے رہے ۔

غیر ملکی ترکستانی طلبہ کے لیے علیحدہ امتحان کا اہتمام کیا گیا تھا ۔ ان سے تحریری امتحان بھی لیا گیا اور تقریری بھی، حضرت ناظم تعلیمات، نائب مہتمم اور حضرت مہتمم نے ان کے امتحانات خود لیے اور ان کی تعلیمی کیفیت اور معیار پر اطمینان کا اظہار کیا ۔ منگل کے روز امتحانات ختم ہوئے ۔

دلکش
دلنشین
دلفریب
کنول لان، صنم پاپلین
گلستان پرنٹس
سنگم بوسکی
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰ لان
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے موزوں۔ حسین کے پارچہ جات شہر کی ہر بڑی دکان پر دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

Servis

تعارف و تبصرۂ کتب

ہمارا بچپن تالیف! حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ صفحات ۔ ۳۳۶، قیمت درج نہیں۔
ناشر! اسامہ اکیڈمی، ہسائٹ کراچی ۔۱۶

"ہمارا بچپن"، ہمارے جواں سال فاضل دوست حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ کا تازہ شاہکار ہے مشاہیر اہل علم، مشائخ، ارباب فضل و کمال مجاہدین و قائدین، اصحاب علم و قلم اور معروف دانشوروں اور شعراء کے بچپن کے حالات سبق آموز واقعات دلچسپ حکایات زیادہ تر انہوں نے خود لکھے ان کے سوانح، حالاتِ زندگی اور سیرت و تاریخ کی کتابوں سے ان موتیوں کو چنا اور علم و فن کے نووارد مسافروں کے لیے توشۂ راہ کے طور پر پیش کر دیا بعض حضرات سے لکھوایا تو وہ دلچسپ اور سراسر نافع ہی نافع ہے کتاب کے جاذب نظر اور عمدہ ترین ٹائیٹل پر کتاب کا جامع تعارف یوں کرایا گیا ہے "منبر و محراب، رزم و بزم، درس و تدریس درس گاہ اور خانقاہ، شعر و ادب، صحافت و سیاست اور طب و حکمت کے حوالے سے نمایاں خدمات انجام دینے والی شخصیات کے بچپن کے انتہائی موثر سبق آموز اور دلچسپ حالات" آخر کون ہے جسے شیخ سعدیؒ، مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا تھانویؒ، حضرت کشمیریؒ حضرت مدنیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سندھیؒ، اور مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے مشائخ اور ارباب علم و کمال کے صاف ستھرے پاکیزہ ماحول کے پاکیزہ بچپن اور سبق آموز تعلیم و تربیت کے مرحلوں سے دلچسپی نہ ہو، ہر مضمون کا انتخاب انتہائی دلچسپ اور پر تاثیر ہے۔
"ہمارا بچپن" اپنے موضوع پر کامیاب ترین پیش کش ہے مؤلف اور ناشر دونوں مبارک باد کے مستحق ہیں یہ تالیفی کاوش اپنی نوعیت کی پہلی کاوش ہے جس کا مطالعہ مفید ہی نہیں موجب سعادت بھی ہے اہل علم، عوام بالخصوص عزیز طلبہ سب بقدر ذوق اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں، طباعت عمدہ کاغذ معیاری اور کور کارڈ شاندار اور دیدہ زیب ہے۔

اصلاحی خطبات افادات۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم ضبط و ترتیب! مولانا محمد عبداللہ میمن
ناشر! میمن اسلامک پبلشرز ۱/۱۸۸ — لیاقت آباد کراچی۔

حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ کا موثر اصلاحی اور نافع سلسلہ خطبات پر مشتمل رسالے مولانا محمد عبداللہ میمن محنت و کاوش سے مرتب کر کے شاندار طباعت کے ساتھ منظر عام پر لا رہے ہیں۔
(بقیہ صـ۵۷ پر)

REGD. NO. P-90

AL-HAQ

فرمانِ رسول..

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمّت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنالیا جائے۔
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مُطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظُلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی بُرائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سُرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات الساعۃ)